لندن سے شائع ہونے والا میدانِ ادب کا واحد کثیر الاشاعت بین الاقوامی اردو میگزین
लंदन से सबसे अधिक प्रकाशित होने वाला उर्दू अदका मात्र अंतरराष्ट्रीय मैगज़ीन
An International Literary Urdu Magazine Globally Circulated

ماہنامہ قندیل ادب انٹرنیشنل لندن

شمارہ:114 جون 2022ء

QINDEEL-E-ADUB INTERNATIONAL
103 Peterborough Road Carshalton SM5 1EE London
(M) 0044-7886-304637 (R) 02086482560
www.qindeel-e-adub.co.uk, ranarazzaq52@gmail.com

تقریبِ رونمائی ''عشق لاہوتی'' مصنفہ سیدہ کوثر (رپورٹ صفحہ 39 پر ملاحظہ فرمائیں)

Earlsfield Properties

Professional Residential Property Management Services

We will manage your property at 0% commission
Guaranteed
Rent Schemes for 3 & 5 years.

Free Management Services
Guaranteed Vacant Possession.

Get it Right

- Member National Landlord Association
- Member Deposit Portection Schemes
- Member The Property Ombudsman Scheme
- Winner of Pakistan Achievement Award 2014 (Excellence Management)
- Vastly Experience in Housing Benefits Clients.

PLEASE CONTACT: NAVEED SARWAR (MA EUROPEAN REAL ESTATE)

175 Merton Road, London SW18 5EF

Tel: 02082656000 02088770762
Fax: 02088749754
Email: info@earlsfieldproperties.com
Web: www.earlsfieldproperties.com

مجلس ادارت

بانی اراکین

خان بشیر احمد رفیق مرحوم

آدم چغتائی مرحوم

مدیر

رانا عبدالرزاق خان

نائب مدیر: مبشر شہزاد، گلاسگو

اراکین ادارتی بورڈ

ڈاکٹر منور احمد کنڈے، رضیہ اسمٰعیل برمنگھم، رند ملک کنیڈا، اسلم ناصر آسٹریلیا، ثقلین مبارک آسٹریلیا، رانا مبارک احمد بحرین، بشیر احمد خان سویڈن، راجہ منیر احمد، ڈاکٹر منصور خوشتر بھارت، منور احمد خورشید۔ امجد مرزا امجد، طارق مرزا آسٹریلیا، عبدالقدیر کوکب، بشارت احمد چیمہ۔

التماس

تمام دوستوں سے التماس ہے کہ اپنی شعری و نثری تخلیقات اور ادبی پروگرامز کی رپورٹیں وغیرہ برائے اشاعت بصورت ''اِن پیج اردو'' فائلز مع تصاویر ای میل سے روانہ فرمائیں۔ ''قندیل ادب انٹرنیشنل'' بیسیوں ممالک میں لاکھوں اردو قارئین کے زیر مطالعہ رہتا ہے۔ میگزین کے مندرجات پر آپ کی رائے یا مختصر تبصرے ہمیں اپنا محاسبہ کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ مضامین کے ساتھ ضروری حوالہ جات آپ کے مضامین کی افادیت کو بڑھاتے ہیں۔ آپ کی بھیجی ہوئی تمام تصاویر وغیرہ ''کاپی رائٹ فری'' ہونی چاہئیں۔ شکریہ

IMPORTANT ANNOUNCEMENT

"Qindeel-e-Adab International" magazine is a non-commercial and non-profit e-product, as well as on paper, internationally distributed free of cost for the promotion of bi-lingual poetry, fiction, informative multi purpose interesting articles etc in Urdu alphabet in the UK and Europe under the sole ownership of its Chief Editor Abdul Razzaq Khan of the address as stated elsewhere within this magazine for delivery of documents.

The magazine and the contents herein DO NOT relate to a political, religious or a social group whatsoever. The Editor does not necessarily agree with the opinions expressed by the article writers, poets etc..

Although the e-magazine is FREE OF COST to all, yet for ON PAPER copies of the magazine we do expect a reasonable amount of donation to cover the costs of printing, postage and packing for all countries as stated Chief Editor

فہرست مضامین

6 تا 10	غزلیات: ڈاکٹر کوثر محمود، قاری صادق جمیل، سعد اللہ شاہ، شہناز مزمل، شکیل سروش، سلیم گورمانی، سید امتیاز احمد، حسن عباسی، نبیل احمد نبیل، منیر باجوہ، آفتاب شاہ، ڈاکٹر ظفر جاذب، اطہر حفیظ فراز، نجمہ محبوب نجمہ، طفیل عامر، اسد عباس خان، رئیس اعظم حیدری، توصیف رضا رضوی، منیر باجوہ، قاضی اعجاز احمد محور، رضا حسین ٹوانہ، بقابلوچ، ظریف احسن،	
11	اسحاق ساجد۔ جرمنی میں برِصغیر کا ایک جمالی گیت کار	ڈاکٹر منور احمد کنڈے
13	شائق نصیر پوری کی غزل کا مزاج	اسحاق ساجد جرمنی
14	جگر مراد آبادی، سراج اورنگ آبادی، حضرت منور بدایونی، عرش صدیقی صاحب، منیر نیازی صاحب، عبد الحمید عدم، شیخ امام بخش ناسخ۔ ساحر لدھیانوی، مجروح، شکیل بدایونی، اور ساحر۔ فیض احمد فیض، میر تقی میر، مرزا داغ دہلوی، محمد ابرھیم ذوق،	
24	کچھ اپنے بارے میں۔ بشپ تمنا لندن	مرسلہ عبدالحمید حمیدی کینیڈا
25	ایک جلے کے لطائف	مشتاق احمد یوسفی
26	مختصر افسانہ: مہمان نوازی	رئیس صدیقی
27	نامساعد حالات کی شاعرہ بینا نقوی	جبیں نازاں لکشمی نگرنئی دہلی
29	شاعرۂ لندن، ڈاکٹر فرزانہ فرحت	ڈاکٹر منور احمد کنڈے،
30	والتھم فاریسٹ پاکستانی کمیونٹی فورم کا عظیم الشان مشاعرہ	ڈاکٹر منور احمد کنڈے
31	یادِ ماضی (افسانہ)	امجد مرزا امجد
32	پی ٹی آئی کو عمران خان کی ''کردار کشی''	چودھری کولمبس خان
34	بلا سفیجی لوٹ کے گھر کو آتی ہے	چودھری کولمبس خان
35	اپنی بیگمات کو پستہ اور بادام ضرور کھلائیں	چوہدری عبدالشکور کلیولینڈ
37	عمران خان کو سیاسی شہید بنا کر زندہ کرنیوالے کون	سید عتیق الرحمن گیلانی
39	تقریب رونمائی ''عشق لاہوتی'' مصنفہ سیدہ کوثر	ادارہ
40	مشاعرہ اور رونمائی کتاب سیوت ایشیا	رانا عبدالرزاق خان
41	ڈاکٹر سرافتخار احمد ایاز صاحب کو ایوارڈ	ادارہ

اعلان

ماہانہ قندیل ادب انٹرنیشنل میگزین کا سالانہ چندہ 25 برطانوی پونڈ ہے۔ اگر کسی کو گھر پر بذریعہ ڈاک ارسال کرنا پڑے تو 35 پونڈ سالانہ ہے۔ نیچے دیئے گئے اکاؤنٹ میں سالانہ چندہ کی ادائیگی فرمائیں۔ جزاکم اللہ

رانا عبدالرزاق خان لندن

HSBC London UK,

A/C 04726979 Sort Code 400500

(M) 0044-788-304637 (R) 02086482560

غزلیات

ڈاکٹر کوثر محمود

ہر روز مجھے خط لکھتی تھی
وہ کتنی اچھی لڑکی تھی
پھولوں جیسی کومل کومل
پاکیزہ شبنم جیسی تھی
کیا نرم ملائم لہجہ تھا
اور باتوں میں شیرینی تھی
اِک رُوح میں بسنے والی مہک
اُس کی ہر پور سے اُٹھتی تھی
اک نور تھا اس کے چہرے پر
آنکھوں میں حیا کی لالی تھی
بے ساختہ پیار آجاتا تھا
کیا صورت بھولی بھالی تھی

قاری صادق جمیل

کھنڈر ہو یا کوئی اُجڑا گھر وندا لگ رہا ہوں
میں نو تعمیر بھی صدیوں پرانا لگ رہا ہوں
نہیں پہچان پائے تم مجھے کیا عجب ہے!
میں اپنے آپ کو بھی اجنبی سا لگ رہا ہوں
مری مرضی نہیں رونے میں یا ہنسنے میں شامل
میں اس دنیا کے ہاتھوں میں کھلونا لگ رہا ہوں
مری کرنوں کی،سورج بھی تمنا کر رہا ہے
بظاہر ایک جگنو کا سراپا لگ رہا ہوں
جوانی کی ابھی پہلی بہار آئی مجھ پر
مگر دیکھو مجھے،میں کتنا بوڑھا لگ رہا ہوں!
جمیل اب آرہا ہے آفتاب مرگ شاید!
سحر کے وقت کا میں تارا لگ رہا ہوں

سعداللہ شاہ

چلو کہ ساتھ زمانے کے چل کے دیکھتے ہیں
تمہاری سوچ کے سانچے میں ڈھل کے دیکھتے ہیں
وہی ہیں لوگ زمانے میں روشنی کی طرح
چراغ بن کے جو راہوں میں جل کے دیکھتے ہیں
سفر کے لطف میں منزل سے بے نیاز ہیں ہم
وہ اور ہیں کہ جو راہیں بدل کے دیکھتے ہیں
ابھی ہوش نہیں ہے جنوں شعاروں کی
جو ہوش ہو بھی تو کب یہ سنبھل کے دیکھتے ہیں
تو احترام کے قابل ہے اس لیے تجھ کو
ہم اپنی ذات سے باہر نکل کہ دیکھتے ہیں

شہناز مزمل

چند گھڑیاں نہیں گزری تھیں شناسائی کو
شعلہ اندام چلے آئے پذیرائی کو
کون جانے وہ حسیں تھا تمنا میری
ڈھونڈ لائی تھی کہیں سے مری رُسوائی کو
عکس ٹھہرا تھا مرے دیدہ تر میں کب سے
آئنہ ڈھونڈ نہ پایا رُخِ زیبائی کو
ٹوٹ کر ریزہ ہوئے جاتے ہیں سب خواب مرے
کہہ دو گر یہ نہ کرے چشمِ تماشائی کو
باد و باراں بھی نہیں،بام نہیں،تنہائی کو
کوئی چھینے نہ مرے گوشۂ تنہائی کو
اپنے احساس پہ کھینچو نہ لکیریں شہناز
توڑ ڈالو بھی بتِ رہزن بینائی کو

شکیل سروش

یہ پھول جو قبر پر اُگا ہے
انساں کے لہو کا اِرتقاء ہے
مقتل کی فضائیں رو رہی ہیں
یہ کون شہید ہوگیا ہے
راتوں کو وہ شخص بستیوں میں
کرنوں کے کھلونے بانٹتا ہے
ملتا ہے کبھی کبھار اب تو
وہ عید کا چاند ہوگیا ہے
ماتھے پہ ہے روشنی کا جھومر
ہونٹوں پہ گلاب کھل رہا ہے
مرہم کی جگہ سروشؔ ہم نے
زخموں پہ نمک چھڑک لیا ہے

سلیم گورمانی

نہیں کچھ فائدے جھوٹے سہارے دیکھنے سے
بھنور کو دیکھنا اچھا کنارے دیکھنے سے
ہمیں اختر شماری کی سہولت بھی نہیں ہے
وہ آنکھیں یاد آتی ہیں ستارے دیکھنے سے
کرشمہِ نگاہِ شوق کا یہ رنگ و رعنائی

جمالِ یار بڑھتا ہے ہمارے دیکھنے سے
بس اطمینان ہوتا ہے کہ ہم بھی ہیں نظر میں
بس اک اُمید رہتی ہے تمہارے دیکھنے سے
نہا جائے گا تیرہ بخت کوئی روشنی میں
تمہارا کیا چلا جائے گا پیارے دیکھنے سے

سید امتیاز احمد

گو یاد میرؔ جی کی نصیحت ہے کیا کریں
بے زور و زَر ہیں محبت ہے کیا کریں
ہم لوگ صرف عشق ہی کرتے ہیں، چھوڑ دیں؟
چھوڑا، اور اب اتنی فراغت ہے کیا کریں
کم حوصلہ نہیں ترے جاں داد گاں مگر
اب زندہ رہنا بھی تو مصیبت ہے، کیا کریں
آخر کو ہم نے دعویٰ فقر و غنا کیا
بیچارگی کا نام قناعت ہے کیا کریں
ہم جانتے ہیں ہم سے برا کوئی بھی نہیں
پر یہ جو ہم اچھوں سے نسبت ہے کیا کریں

حسن عباسی

مرتی ہوئی زمین کو بچانا پڑا مجھے
بادل کی طرح دشت میں آنا پڑا مجھے
وہ کر نہیں رہا تھا مری بات کا یقین
پھر یوں ہوا کہ مر کے دِکھانا پڑا مجھے
بھولے سے مری سمت کوئی دیکھتا نہ تھا
چہرے پہ ایک زخم لگانا پڑا مجھے
اس اجنبی سے ہاتھ ملانے کے واسطے
محفل میں سب سے ہاتھ ملانا پڑا مجھے
اس بے وفا کی یاد دلاتا تھا بار بار
کل آئینے پر ہاتھ اُٹھانا پڑا مجھے
ایسے بچھڑ کے میں نے تو مر جانا تھا حسنؔ
اس کی نظر میں خود کو گرانا پڑا مجھے

نبیل احمد نبیل

حصارِ جاں میں مجبوراً سمٹ جانا پڑا ہے
ہمیں کچھ سوچ کر منظر سے ہٹ جانا پڑا ہے
بریدہ بازوؤں کا سانحہ کچھ کم نہ تھا
ابھی تو سر کا اپنے تن سے کٹ جانا پڑا ہے
تعجب ہے دعائے شمس تبریزی کے ہوتے
سوا نیزے سے سورج کو پلٹ جانا پڑا ہے
یہ کیسے نوگزے قبروں سے اُٹھ کر آ گئے ہیں
کہ زندوں کو خود اپنے قد سے گھٹ جانا پڑا ہے
سوادِ کربلا میں آندھیاں ہی چل رہی ہیں
چراغِ رہ کو خیمے میں مِٹ جانا پڑا ہے
نہ جانے اس کے پھیلے بازوؤں میں کیا کشش تھی
اسی قاتل کے سینے سے لپٹ جانا پڑا ہے

منیر باجوہ

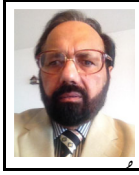

ذات پات نہیں کسے نے پُچھنی جی
نہ کر مان تُوں اپنی ذات اُتے
تیرے عملاں دی پُچھ پڑتال ہونی
رکھ آسرا مولا دی ذات اُتے
اوتھے کسے نہیں پُچھنا باجوہ ایں
یا سید ایں کسے کرامات اُتے
تیرے کِبر نے تینوں لے ڈُبنا
پتا لگے گا اودی ملاقات اُتے
میری ذات دا کی سوال مولا
سب ذاتاں توں تیری ذات اُتے
میرے عمل وی تیتھوں چُھپے نائیں
کریں کرم توں میری اوقات اُتے
میرے عملاندا پُچھ کے کی لینا
ساری عمر کوتاہیاں اچ گزر گئی اے
دیویں بخش منیرؔ نوں پیار یا وے
حساب اوسدا اے تیری نجات اُتے

آفتاب شاہ
علامہ اقبال کو خراجِ تحسین

وجودِ رفتہ سے ہو جا تُو جہاں کی طرح
سرودِ رفتہ سے ہو جا تُو لامکاں کی طرح
ترے سوال سے پیدا ہوا وجود اس کا
وجود اس کا ہے رازِ کن فکاں کی طرح
خرد کی چال میں اُلجھا ہوا ہے دل تیرا
خودی میں ڈوب جا بن جا تُو آسماں کی طرح
جو سوزِ یار کو باندھے ہے بانگِ سوزا سے
فضا میں گونج ہو تیری اس اذاں کی طرح
قبا سکوت کی کر دے تُو چاک نغمے سے
ہویدا ہو جا زمانے میں تُو قراں کی طرح
چمن کو دے تُو سبق محفلِ قدیمہ کا
تُو چیر سینے کو ہوجا تُو گلستاں کی طرح
اُٹھا تُو نعرہِ تکبیر قبرِ ظلمت میں
تُو ہوجا شعلہِ خورشید اس جواں کی طرح

ڈاکٹر ظفر جاذب

مرے دل میں یہ خواہش تھی
اگر اس عید کے لمحے
تمھارے ساتھ گذریں تو
مری بھی عید ہو جائے
اگر موقع ملے مجھ کو
گلے تجھ کو لگاؤں میں
ترے ہونٹوں کا بوسہ لوں
تری زلفوں سے کھیلوں میں
کہ ایسے پیار کے لمحے
تمھارے ساتھ گذریں تو
مری بھی عید ہو جائے
مگر تقدیر میں شائد
ابھی کچھ دیر باقی ہے
مجھے معلوم ہے کہ
کاتب تقدیر کا لکھا
کسی صورت نہیں بدلا
مگر یہ بھی سنا ہے کہ
کوئی تدبیر کر لیں تو
بدل جاتی ہے قسمت بھی
چلو مل کر مری جاناں
کوئی تدبیر کرتے ہیں
خدا کے سامنے عرضی
کوئی تحریر کرتے ہیں
وہ قسام ازل اپنی
یقیناً التجا سن کر
تمھیں مجھ سے ملا دے گا
مجھے تم سے ملا دے گا
مرے دل کی یہ خواہش ہے
وہ لمحے جلد آ جائیں
کہ اپنی عید ہو جائے
آؤ میں آ گیا ہوں تو

آفتاب شاہ

مجھ سے کہا تھا آپ نے ملنے میں آؤں گا
تحفے میں دل کے ساتھ میں مہندی بھی لاؤں گا
ہاتھوں پہ اپنے ہاتھ سے تیرے لیے سجن
رنگوں کے امتزاج سے اک دل بناؤں گا
چھت پر کھڑی ہوں آج بھی وعدے کی آس پر
تُو نے کہا تھا عید میں مل کے مناؤں گا
وعدہ میں توڑ دوں صنم ایسا نہ سوچنا
تیری خوشی کی چاہ میں مر کے بھی آؤں گا
مجھ سے ہوئی جو دیر تو لمبی ہے داستان
کاندھے پہ سر ٹکا کے میں سب کچھ بتاؤں گا
مہندی جو دیکھی میں نے تو کہنے لگا یہ دل
اطلس کو تیرے ہاتھوں پہ میں تو لگاؤں گا
گجرا بھی تیرے جوڑے میں کیا خوب سجتا ہے
چندا کو تیری مانگ میں میں تو سجاؤں گا
مہندی تو سب ہی لاتے ہیں لیکن مرے صنم
تحفے میں دل کے ساتھ میں تارے بھی لاؤں گا
دیکھیں ہیں چوڑیاں حسیں تیرے لیے سجن
کنگن ترے لیے نگیں سونے میں لاؤں گا

آفتاب شاہ

بات کرتے ہوئے اتنا تُو لرزتی کیوں ہو
کاٹ کر ہونٹ بتا سر کو جھٹکتی کیوں ہو
دیکھ کر مجھ کو بتا اتنا نکھرتی کیوں ہو
دیکھ لوں غیر کو گر اس پہ بگڑتی کیوں ہو
گم نہ ہوجاؤں کہیں ایسے پکڑتی کیوں ہو
مار ڈالو گی مجھے ایسے جکڑتی کیوں ہو
مانتا ہوں کہ مچلنے کا ہنر جانتی ہو
آ کے ہر روز سرِ بزم تھرکتی کیوں ہو
بات سنتے ہی خفا ہونے کا ناٹک کیسا
دے دیا دل تو پھر اتنا تُو جھگڑتی کیوں ہو
مجھ کو اچھا نہیں لگتا کہ تجھے دیکھے کوئی
بن سنور کے تُو مری جان گزرتی کیوں ہو
سامنے میرے کوئی لفظ نکلتا بھی نہیں
سامنے سب کے پھر اتنا تُو چہکتی کیوں ہو

اطہر حفیظ فراز

ہاتھوں میں اس کے ہاتھ ہے اور چاند رات ہے
دل دل کے ساتھ ساتھ ہے اور چاند رات ہے
کلیاں ہیں اس کی زلف میں، گجرے ہیں ہاتھ میں
حوروں کو آج مات ہے اور چاند رات ہے
اک تو تیرا خیال ہے وجہ نزول شعر
اس پر قلم دوات ہے اور چاند رات ہے
دل میں جسے بسا لیا، قابض ہے روح پر
حد تجاوزات ہے اور چاند رات ہے
وہ بھی تو میرے عشق میں آراستہ ہوا
وہ جو غزل صفات ہے اور چاند رات ہے
دلہا مرا یہ عشق ہے، دلہن ترا جمال
شعروں کی اک بارات ہے اور چاند رات ہے
وہ چوڑیاں پہنتی ہے، گائے ہے گیت بھی
شیشے میں نشریات ہے اور چاند رات ہے
اس کے اٹھاؤں ناز یا اس کا چراؤں دل

جذبوں کا اک فرات ہے اور چاند رات ہے
کومل فراز!! دل مرا، اس پر یہ ظلم ہے
نظروں کی واردات ہے اور چاند رات ہے

نجمہ محبوب نجمہ

سخن کی جستجو تم ہو غزل کا بانکپن تم ہو
مری محفل بھی تم ہی تم ہو میری انجمن تم ہو
نہ میرا دل رہا میرا نہ میری روح میری ہے
مرے مختار و مالک تو بس اب اے جانِ من تم ہو
تمہاری سلطنت ہے یہ تخیل کی حسیں دنیا
میں اک ادنیٰ سی باندی ہوں شہنشاہِ سخن تم ہو
تمہی ہو مہرِ عالم تاب تم ہی ماہِ کامل ہو
تمہی خوشبو ہو اے ہمدم مرے برگ وسمن تم ہو
تمہیں کس کا جنوں ہے اِس سے کچھ مطلب نہیں مجھ کو
مجھے اتنا پتہ ہے بس مرا دیوانہ پن تم ہو
یہی سچ ہے کہ نجمہ کی اندھیری زندگانی میں
حیات افزا سی اک امید کی روشن کرن تم ہو

طفیل عامر

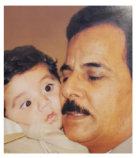

کنہوں ڈٹھا، دل سی ڈریا
یارو روپ دے ہتھوں مریا
عشق دی ریت اولڑی بیبا
جیہڑا ڈب جائے اویو تریا
بندے دی وی کیتی جر لے
رب دی کیتی وی تے جریا
چیتے دا ہن حال ایہہ ہویا
یاد نئیں رئیندا کتھے دھریا
عزت، پت، لبھیاں نہ لبھے
چنگا ای چھڈ میلہ بھریا
ساڈا پیر بھوئیں نہ لگے
اوہناں ساڈے پیر کیہ دھریا

اسدعباس خان

اپنے اندر جوت جگانی پڑتی ہے
صدیوں اپنی خاک اُڑانی پڑتی ہے
پہلے خود کو پار لگانا پڑتا تھا
آج سڑک ہی، پار لگانی پڑتی ہے
کبھی کبھی خود کو بھی ملنا پڑتا ہے
خود کو بھی ہر بات بتانی پڑتی ہے
دیواروں پر تنہائی جم جاتی تھی
ٹھنڈی ٹھنڈی آگ جلانی پڑتی ہے
مر جانے سے پہلے مرنا پڑتا ہے
یعنی اپنی جان بچانی پڑتی ہے
اک پنجرے کو قید میں رکھنا پڑتا ہے
اور پنجرے کو قید سنانی پڑتی ہے
چلتے چلتے رستہ گُم ہو جاتا ہے
خود کو پھر اک رہ دکھلانی پڑتی ہے

اسدعباس خان

ابتدا سے کسی انتہا کی طرف اور خدا کی طرف
روز و شب چل رہا ہوں فنا کی طرف اور خدا کی طرف
حجرہء جان میں معتکف ہو چکا منکشف ہو چکا
لوٹ جانا ہے میں نے دعا کی طرف اور خدا کی طرف
اِن درختوں کی میرے خدا خیر ہو، آئے ہوا خیر ہو
یہ دعا میں نے بھیجی ہوا کی طرف اور خدا کی طرف
ایک ہی نور ہے اب جہاں جاؤں گا! سو کہاں جاؤں گا؟
میں نجف کی طرف کربلا کی طرف اور خدا کی طرف
ازازل تاابد میں ہی میں ہوں یہاں اور کوئی کہاں
اب سفر ہے مرا ماسوا کی طرف اور خدا کی طرف
میں نے پایا یہیں سے سُراغِ سُخن اور چراغِ سخن
میں گیا ہوں یہیں سے عطا کی طرف اور خدا کی طرف

اسدعباس خان

اک تصوف بہرے آدمی سے کُھلا روشنی سے کھلا
یہ مقام فنا خواجگی سے کھلا روشنی سے کھلا
بابِ حرف و دعا، رنگِ صوت وصدا، اور پھر تخلیہ
جس سے کھلنا تھا مجھ پر اسی سے کُھلا روشنی سے کُھلا
حیرتِ دو جہاں سے بڑا ہے یہ دل، قریہ آب و گل
مجھ پہ یہ راز بھی زندگی سے کُھلا روشنی سے کُھلا
اپنے باطن میں مَیں نُور ہوتا ہوا، طُور ہوتا ہوا
عشق آباد کی شُعلگی سے کُھلا روشنی سے کُھلا
خود سے مَیں آج تک تو مِلا ہی نہیں، آشنا ہی نہیں
میرے اندر کی اس خامشی سے کُھلا روشنی سے کُھلا
یاد کرنے پہ بھی یاد آتا نہیں بھُول پاتا نہیں
جانے کیا تھا جو اُس دن کسی سے کُھلا روشنی سے کُھلا

اسدعباس خان

ھُو کا عالم طاری ہے سرشاری ہے
دُنیا سے بیزاری ہے سرشاری ہے
حضرت جی کی صُحبت سے اور نِسبت سے
عشق مُسلسل جاری ہے سرشاری ہے
عشق مِلا آسانی میں، سلطانی میں
ہر جانب دُشواری ہے سرشاری ہے
خُوشبو بستی ہے سانسوں میں، لہجوں میں
جگہ جگہ گُلکاری ہے سرشاری ہے
فیض ملا سرکاروں سے سب یاروں سے

شعروں میں تہہ داری ہے سرشاری ہے
ہر جانب زنجیریں ہیں، زنجیریں ہیں
بس اِک گریہ زاری ہے سرشاری ہے
مُوتُوا قَبلَ اَن تمُوتُوا یا حق ھُو
مرنے کی تیاری ہے سرشاری ہے

اسد عباس خان

ہر سُخن سات وادیوں سے الگ
منطق الطیر صوفیوں سے الگ
میرا باہو سراپا یا حق ھو
میرا سلطان عارفوں سے الگ
باغ پاتا سراغ پاتا ہوا
دل کے میں چار موسموں سے الگ
میں کنارے سے درکنار نہیں
دائرہ کھینچ دائروں سے الگ
اور تشکیک بھی تیقن ہے
واہمہ اور واہموں سے الگ
وہ مرا مجھ پہ منکشف ہونا
تہہ بہ تہہ کھلنا سب تہوں سے الگ
خود سے میں پھر کبھی ملوں نہ ملوں
خود شناسی کے راستوں سے الگ

آفتاب شاہ

ملایا ہاتھ جوتو نے کہا میں نے اجازت ہے
چھڑایا ہاتھ جوتو نے کہا میں نے اجازت ہے
کہا میں نے اجازت ہے محبت میں شرارت کی
چبایا ہاتھ جوتو نے کہا میں نے اجازت ہے
مٹایا تم نے مہندی کو کہا تم کو اجازت ہے
سجایا ہاتھ جوتو نے کہا میں نے اجازت ہے
جھکے ہاتھوں کو دیکھا تو لگا جھکنے بھی میرا سر
اٹھایا ہاتھ جوتو نے کہا میں نے اجازت ہے
لگایا لب جو بوسے کو کہا میں نے اجازت ہے
ہٹایا ہاتھ جوتو نے کہا میں نے اجازت ہے
لیا بانہوں کو بانہوں میں لگایا مجھ کو سینے سے
چرایا ہاتھ جوتو نے کہا میں نے اجازت ہے
پھنسایا ہاتھ گردن میں نظر سے وار کر ڈالا
دبایا ہاتھ جوتو نے کہا میں نے اجازت ہے

(سیاسی دعوت افطار)

رئیس اعظم حیدری

افطار میں سبھوں کو بلایا گیا ہے دوست
اعلان میڈیا سے کرایا گیا ہے دوست
میداں کو خوب آج سجایا گیا ہے دوست
پنڈال اک بڑا سا بنایا گیا ہے دوست
روزہ سے جو نہیں ہیں وہ پہلے ہی آئیں گے
منظر یہ آپ دیکھیں گے جب وہاں پہ جائیں گے
رہبر، لٹیرے شہر کے آئیں گے سب وہاں
شاہی، حلیم، پھل، چنا، کھائیں گے سب وہاں
لچے لفنگے دیکھئے دوڑے ہی جائیں گے
جھنڈے بدن پہ اپنے لپیٹے ہی آئیں گے
کلو ادھر میں بیٹھ ادھر مال اچھا ہے
رہنے دے یار مجھ کو ادھر دودھ لچھا ہے
کوئی وضو میں ہوں گے تو کوئی بنا وضو
روزے میں جو نہ ہوں گے کریں گے فقط غلو
ملاں امام پادری پنڈت رہیں گے سب
کھائیں گے سب مزے سے یہی پھر کہیں گے سب
پچھلے برس سے خوب بڑا انتظام ہے
کیا خوب اپنے واسطے یہ اہتمام ہے
ہم لوگ روزہ دار نہیں ہیں تو غم نہیں
دعوت ہمیں تو ملتی ہے یہ بات کم نہیں
ہے شرم کی یہ بات نہیں رکھتے روزہ ہم
آتے ہیں روزہ کھولنے کھاتے ہیں ماں قسم
لعنت ہے اس طرح سے یہ افطار کرنا

توصیف رضا رضوی

کہتا ہے ایمان، ہے اُن کا نصیبہ لاجواب
جن کی آنکھوں نے ہے دیکھا تیرا جلوہ لاجواب
بخشتا ہے بے قراری میں نگاہوں کو سُکوں
میرے آقا تیرا پیارا پیارا روضہ لاجواب
شان کیا تیری بیاں ہو تو ہے اُن کے دل کا چین
چوم کر جن کے قدم ہوتا ہے ذرّہ لاجواب
تیری نسبت جس کو مل جائے وہ بے حد خوش نصیب
تو نوازے تو ہو قسمت کا ستارہ لاجواب
پنجتن کا تو ہے وارث تو اِمام المُتّقین
عارفِ باللہ تو ہے تیرا تقویٰ لاجواب
اہلبیتِ پاک کے گلشن کا نوری پھول تُو
تیری خوشبو بے بدل ہر رنگ تیرا لاجواب
منبعِ کشف و کرامت ہو جو تیری اِک نظر
با خدا ہو جائے یہ ناچیز بندہ لاجواب
تجھ میں کھو جاؤں میں ایسا ہو نہ دنیا کی خبر
جو بھی دیکھے وہ کہے ہے یہ دیوانہ لاجواب
صاحبِ تاجِ ولایت، مَصدرِ روحانیت
ابنِ شاہِ کربلا، تیرا مُصلّیٰ لاجواب
کیسے آقاؤں کا بندہ ہوں، رضا نے کیوں کہا؟
کیوں کہ ہے عالم میں تیرا ہی گھرانہ لاجواب
سخت مشکل کی گھڑی ہم پر ہے پیرِ دستگیر

جانتا ہوں ہے مگر تیرا سہارا لاجواب
ناز تجھ پر اصفیا کرتے ہیں قطب الاولیا
بادشاہوں سے ہے تیرے در کا منگتا لاجواب
بندہ رَزّاق قاسم رِزق کے نانا ترے
تیرے در سے مِلتا ہے دنیا کو صدقہ لاجواب
تجھ میں ہے نورِ نبی، خونِ علی، بُوئے حَسَن
تیری صورت تیری سیرت تیرا لہجہ لاجواب
کون کر سکتا ہے اندازہ ترے معیار کا
نائبِ غوث الورٰی تو تیرا رتبہ لاجواب
تیری ہستی کی بدولت اِس کی قسمت بَن گئی
ارضِ بانسہ کا کِیا تونے نصیبہ لاجواب
نور سے جِس کے چمکتی ہے مسولی کی زمیں
با خدا ہے میر اسماعیل تیرا لاجواب
یہ ترے گلزار کا چہرہ ہے یا جَنّت کا پھول
اِک جھلک جِس نے بھی دیکھا بول اُٹھا لاجواب
میری خواہش ہے کہ لِکھّوں ایک ایسا شعر میں
جس کو سن کر آپ کہہ دیں، واہ، عمدہ، لا جواب
تو ہے نورِ چشمِ محبوبِ خدا وندِ کریم
ہے ترے گلزار کے سر پر عَمامہ لاجواب
غیر ممکن ہے ترے اوصاف کو کرنا شمار
مختصر قصّہ ہے تُو سارے کا سارا لاجواب
آرزوئے قلبِ توصیفِ حزیں ہے ہو کرم
شان میں تیری یہ لِکھّے اِک قصیدہ لاجواب

منیر باجوہ

سینے میں ہے دھڑکتا دل ویراں ہمارے پاس
آیا ہے لے کے کیسا دبستاں ہمارے پاس
جام وسبُو لنڈھائے ہیں میکش نے مَے سے خوب
لایا بنا کے چہرہ گلستاں ہمارے پاس
جس نے بھی جیتنی ہو محبت کی جنگ آج
آ کر کے سیکھے ہُنر وہ ناداں ہمارے پاس
دل دے کے ایک بار تو دیکھو مرے صنم
ہو گے نہ تم کبھی بھی پشیماں ہمارے پاس
ہم عشق کے سوداگر بانٹیں ہیں اُلفتیں
پاؤ گے ہر سمے ہی بہاراں ہمارے پاس
دیکھو ہماری بزم میں مٹتے ہیں کیسے غم
رہتا نہیں ہے آ کے کوئی نالاں ہمارے پاس
اُس کی عنایتوں سے ہی چلتی ہے اپنی سانس
ہر آن سُن منیرؔ ہے یزداں ہمارے پاس

قاضی اعجاز احمد محور

جو دل میں ہے میرے مجھے کہنے نہیں دیتا
سنتا بھی نہیں چپ بھی وہ رہنے نہیں دیتا
بھر دیتا ہے آنکھوں میں وہ نمکین سمندر
پھر بوند بھی پلکوں سے وہ بہنے نہیں دیتا
بن جاتا ہے ہمدرد بھی وہ حد سے زیادہ
سانسوں کی اذیت بھی وہ سہنے نہیں دیتا
ملنے نہیں دیتا مجھے احباب سے میرے
گھر پر بھی اکیلا مجھے رہنے نہیں دیتا
اک چاند وہ بن جاتا ہے میرے لئے ہر شب
پھر چاند بھی خود کو مجھے کہنے نہیں دیتا

قاضی اعجاز احمد محور

میں اپنے سائے سے سورج کھا سکتا ہوں
لیکن کیا میں اک اور سورج لاسکتا ہوں
بس اک وقت کی ڈوری ہاتھ میرے آ جائے
برسوں آگے صدیاں پیچھے جا سکتا ہوں
چاند تو اک قرطاس ہے میرے فن کی خاطر
جو بھی چاہوں اس پہ نقش بنا سکتا ہوں
جھوٹ کبھی ہوتے ہوں گے ایسے دعوے؛ پر
آج میں سچ مچ تارے توڑ کے لا سکتا ہوں
یوں ہی تو یہ چاند نہیں میرا ہمسایہ
اک دیوار پھلانگ کے اس پہ جا سکتا ہوں
تو اپنے دل کی دھڑکن کاغذ پر لکھ دے
تجھ کو اس میں اپنا آپ دکھا سکتا ہوں
میں نے دانستہ خود کو گم کر رکھا ہے
میں جب چاہوں اپنا کھوج لگا سکتا ہوں

قاضی اعجاز احمد محور

کسی کو چاند کہنے کا ارادہ کر لیا ہے
ارادہ اپنی ہمت سے زیادہ کر لیا ہے
تیری نظروں میں آئے ہیں تو دل میں بسیں گے
سفر کچھ ہم نے آدھے سے زیادہ کر لیا ہے
مٹا ڈالے ہیں دل سے نقش پہلی چاہتوں کے
تیری خاطر ورق یہ دل کا سادہ کر لیا ہے
اسے احساس ہو کچھ کس قدر فیاض ہے وہ
بس اتنا سوچ کر دامن کشادہ کر لیا ہے
ہمیں اگلا سبق تو یاد کرنا ہی تھا لیکن
نہ جانے کیوں گزشتہ کا اعادہ کر لیا ہے
بہت مشکل ہے اب اعجاز محورؔ کو سمجھنا
کہ اس نے جھوٹ کو اپنا لبادہ کر لیا ہے

رضا حُسین ٹوانہ

رنگ دُنیا کا اُتر جائے دُعا مانگا کرو
زندگی اچھی گزر جائے دُعا مانگا کرو
میں تو کب کا ٹوٹ کے شاخوں سے نیچے آ گرا

اب یہ مٹی بھی بکھر جائے دعا مانگا کرو
اب تو ہر اک شہر کوفہ بن گیا ہے ملک میں
قافلہ بچ کے گزر جائے دُعا مانگا کرو
حادثوں کا درد سہنے کی اسے عادت نہیں
خیر کی اس تک خبر جائے دعامانگا کرو
پھر کسی کی زلف ہم کو دھوپ میں سایہ نہ دے
بس ہمارا زخم بھر جائے دُعا مانگا کرو
زندگی ایسی نہیں جیسی سمجھتے ہو رضاؔ
ہر مسافر اپنے گھر جائے دعا مانگا کرو

بقابلوچ

جتنے منظر دیکھے ہم نے
دل کے اندر دیکھے ہم نے
اُڑتی خاک زمیں پر دیکھی
رنگ فلک پر دیکھے ہم نے
تم نے صرف کنارے دیکھے
سات سمندر دیکھے ہم نے
اب تک جتنے چہرے دیکھے
تم سے کم تر دیکھے ہم نے
در پر آنکھیں آنکھ میں پانی
پانی میں گھر دیکھے ہم نے
دل کے سونے دشت کے اندر
اُجڑے منظر دیکھے ہم نے
تم نے دیکھے خواب خوشی کے
غم کے نشتر دیکھے ہم نے

بقابلوچ

مجھے دینے لگے آزار دیکھو
یہ میرے جبہ و دستار دیکھو
کسی یوسف کو لایا جا رہا ہے
ذرا یہ گرمیِ بازار دیکھو
میری حالت سے تم کو کیا غرض ہے
مجھے سمجھو میرا کردار دیکھو
یہ کیا تم اپنا چہرہ دیکھتے ہو
کبھی تو آئنے کے پار دیکھو
کسی نے بانٹ رکھا ہے مجھے بھی
میرے اندر کھڑی دیوار دیکھو
تمھیں بھی تو محبت ہو گئی ہے
ذرا اپنے لب و رخسار دیکھو
مجھے تم کیا ملے ہو جانِ جاناں !
مرا ہونے لگا پرچار دیکھو
مجھے دے کر تسلی رو پڑا ہے
ارے لوگو مرا غم خوار دیکھو

ظریف احسن

خوش بیانی کی زباں ہم شام واپس آئیں گے
منتظر ہے آشیاں ہم شام واپس آئیں گے
اپنی اپنی خواہشوں کے قیدیوں نے یہ کہا
دیکھنا اے آسماں ہم شام واپس آئیں گے
دانہ دنکا چگتے چگتے کچھ ادھر ہیں کچھ اُدھر
بستیاں ہیں شادماں ہم شام واپس آئیں گے
ننھے مُنے کچھ پرندے گھونسلے سے اُڑ گئے
حوصلہ ان کا جواں ہم شام واپس آئیں گے
اپنے اپنے راستے ملتے رہے سب کو ظریف
اس لئے سب کو گماں ہم شام واپس آئیں گے

ظریف احسن (کراچی)

دیئے کی لو بڑھانے کا تقا ضا کون کرتا ہے
ہوا سے جنگ کرنے کا تقاضا کون کرتا ہے
ازل سے دل گرفتہ لوگ محفل سے گریزاں ہیں
انہیں دل کو لگانے کا تقاضا کون کرتا ہے
ہماری آنکھ کی خلوت ہمیں آباد رکھتی ہے
ہمیں پھر سے رُلانے کا تقا ضا کون کرتا ہے

عبدالحمید حمیدی

عید آئی ہے دل کو شاد کرو
آج بچھڑے ہووں کو یاد کرو
وہ خدا تم کو بھول سکتا نہیں
اس کے بندوں کو تم بھی یاد کرو
وہی ساری بلائیں ٹالے گا
کعبے کے رب سے ہی فریاد کرو
بزمِ ہستی میں رنگ بھرنے کو
دل کے سونے نگر آباد کرو
چلتے رہنا ہے زندگی یارو
قافلے منزل مراد کرو
توپ تلوار نہ ہی تیرو کماں
اب قلم سے ہی تم جہاد کرو
شاخِ گل پہ بہار آئے گی
اس قدر نہ دل ناشاد کرو

چار طبقے ۔ رئیس امروہوی
(۱۴ مئی ۱۹۷۸ء)
چار طبقے ہیں جو مل سکتے ہیں پاکستان میں
آپ کو ہو خواہ ان طبقوں سے کتنا ہی گریز
حاکمانِ بے لیاقت ، عالمانِ بے عمل
رہبرانِ بے تدبّر ، واعظانِ فتنہ خیز

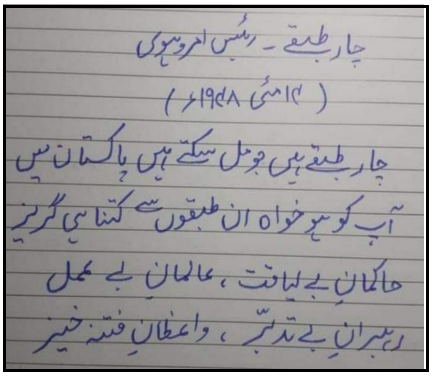

اسحاق ساجد۔ جرمنی میں برِصغیر کا ایک جمالی گیت کار

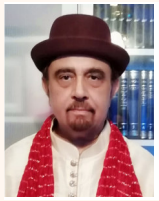

ڈاکٹر منور احمد کنڈے
انگلینڈ

برِصغیر ہندو پاک میں گیت کی تاریخ عہد قدیم سے تعلق رکھتی ہے۔ گیت کی جڑیں قدیم پراکرت زبان و ادب اور موجودہ ہندی زبان و ادب میں پھیلی ہوئی ہیں۔ جہاں تک اُردو زبان و ادب کا تعلق ہے اس نے گیت کو ہندی سے مستعار لیا ہے۔ دکنی تہذیب کے ابتدائی دور میں ہندی اور فارسی کے ملے جلے الفاظ کو بروئے کار لا کر غنائی نظموں کی تخلیق رائج الوقت رہی ہے۔ یہ نظمیں اگرچہ گیت کہلانے کی مستحق نہیں ہیں پھر بھی ان میں گیت کار سے زیر و بم رنگ و آہنگ موسیقیت اور غنائیت کے مرکب اجزاء کو با آسانی محسوس کیا جا سکتا ہے۔ شمالی ہند میں بھی گیت نما نظموں کا چلن رہا ہے لیکن ان کو گیت سے تعبیر کرنا ممکن نہیں ہے۔ دراصل نظم اور گیت میں ٹیک کا بند ہی حد فاصل قائم کرتا ہے اور گیت کی پہچان بنتا ہے۔ برِصغیر ہندو پاک میں خالص گیت کی تاریخ بہت زیادہ پرانی نہیں ہے۔ ڈاکٹر فراز حامدی بیکلؔ اتساہی نذیرؔ فتح پوری مناظر عاشق ہرگانوی، انور شیخ، سوہن راہی ساحر شیوی اور گلشن کھنہ کی طرح اسحاق ساجدؔ نے بھی بہت اچھے گیت تخلیق کئے ہیں۔ گیت کا فارم یا اُس کی ہیئت کسی مخصوص بحر و وزن کی پابند نہ ہو کر آزادی سے ہمکنار ہے۔ اسے کسی بھی وزن بحر ہندی چھند یا فارسی کی بحر میں تخلیق کیا جا سکتا ہے۔ میرے خیالِ خام میں گیت کار کو مکمل آزادی حاصل ہے کہ وہ جتنی سطروں کے بعد چاہے ٹیک کا بند استعمال کر سکتا ہے۔ گیت اگرچہ ایک داخلی جذبہ ہے لیکن خارجی سطح پر اس میں الفاظ کو بڑی اہمیت حاصل ہے گیت کو بحر ہی نہیں لفظ بھی غنائیت اور موسیقیت سے ہمکنار کرنے میں اہم رول ادا کرتے ہیں اس لیے اس میں روزمرہ استعمال میں آنے والے عام فہم سادہ اور مترنم الفاظ کا استعمال گیت میں لطف و تاثر کا موجب بنتا ہے۔ انگنت موضوع گیت کے دامن میں جگہ پا سکتے ہیں لیکن گیت کا حسن دو بالا کرنے کے لیے جنسِ مخالف کی باہمی محبت عشق و عاشقی قلبی واردات جذبات و احساسات اور وصل و ہجر قرار و انتظار غم و خوشی یاس و ہراس کامیابی و ناکامی جیسے معاملات کو موضوع اظہار بنایا جاتا ہے۔ اسحاق ساجدؔ نے بھی اپنے گیتوں میں ایسے ہی متعدد معاملات کو موضوع اظہار بنایا ہے۔ ان کے گیتوں کا مجموعہ ''گیت میرے میت'' اس کی واضح مثال ہیں۔ ساجدؔ صاحب نے اپنے حالیہ شعری مجموعے ''جمال دوست'' میں بھی دس گیت شامل کئے ہیں اور انہیں کی روشنی میں یہ مضمون میں نے ترتیب دیا ہے۔ چونکہ لوک گیت کے بعد ہی گیت معرض وجود میں آیا اور لوک گیت کے خالق گاؤں کے کوی ہوتے تھے اس لیے ہمارے گیت بھی گاؤں کی بولی میں گاؤں کی زندگی کا منظر نامہ پیش کرتے ہیں۔ اسحاق ساجدؔ کا یہ گیت جو مل جل کر دریا پار کرنے کی تلقین کرتا ہے اس سکھی کے جذبات کا آئینہ دار ہے جو اپنی سکھیوں کو دریا پار کرتے وقت نئی زندگی کے شاندار مستقبل کی بشارت دیتی ہے۔

دور ہے منزل رستہ ہے دشوار سکھی
آؤ کریں مل جل کے دریا پار سکھی

پیار کی راہیں دشوار ہوتی ہیں جن پر ہو کر طوفانی آندھیاں بھی گذرتی ہیں، پاؤں بھی لہولہان ہو جاتے ہیں۔ آبی سفر میں بھی طوفانی موجیں اور گرداب حوصلہ شکن ہوتے ہیں۔ موت کی آہٹیں ہر طرف سنائی دیتی ہیں۔ پھر بھی ایک نئی اُمید کے آسرے پر پیار کے راہی آگے ہی آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں مکمل گیت نقل کرنے کی گنجائش تو نہیں ہے پھر بھی گیت کا آخری انترا پیش کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ملاحظہ ہو۔

ٹوٹی کشتی تیز ہوا چڑھتا پانی
اس پر بھی کرتا ہے یہ دل من مانی
چھوتی ہیں امبر کو پھر اٹھتی لہریں
چین سے راہی دو پل اب کیسے ٹھہریں
دیکھتے ہیں پھر طوفاں کے آثار سکھی
آؤ کریں مل جل کر دریا پار سکھی

آخری لائن ٹیک کا بند ہے۔ گیت کو دو مطلعوں کے بعد ٹیک کے بند کی ہم قافیہ ایک سطر کو جوڑ کر فارم یا ہیئت عطا کی گئی ہے۔ گیت میں تین فارسی

کے الفاظ راستہ منزل اور دشوار کے علاوہ بقیہ سبھی ہندی کے عام فہم اور مترنم الفاظ سے گیت کی لڑی پروئی گئی ہے۔جس سے گاؤں کی زندگی ماحول اور منظر سبھی نگاہوں کے سامنے گردش کرنے لگتے ہیں۔ عام گیت سے قطع نظر موضوعاتی گیت تخلیق کرنا ایک مشکل کام ہے اور یہ مشکل کام قسمت کو موضوع بنا کر انہوں نے بڑی چابکدستی وفنی مہارت اور خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا ہے۔گیت کی چند سطور (مصرعے) قسمت کی کارکردگی کا کیا خوبصورت مظاہرہ ہیں ملاحظہ ہو۔

اُونچی مسند پر یہ بٹھائے
کبھی یہ دردر بھیک منگائے
عجب چمن میں گل یہ کھلائے
کبھی ہے محرم کبھی ہے ہولی
قسمت کھیلے آنکھ مچولی

گاؤں کے منچلے رنگ رنگیلے پریمی اور الہڑ شوخ وشنگ چنچل مستانی اور البیلی جوانیوں کا گاؤں کی کھلی فضا اور سرسبز وشاداب مناظر کے سائے تلے ایک دوسرے کے پریم جال میں پھنس کر محبت بھرے نغمے گنگنانا ناچنا اور گانا ایک روایت بن چکا ہے۔جن پریمیوں کے دلوں کو محبت راس آجاتی ہے وہ سدا کے لیے عیش ونشاط کی سیج پر زندگی کا لطف لیتے ہیں اور جنہیں یہ محبت ٹھکرا دیتی ہے وہ بچھڑ کر برہا کے گیت گانے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ برہا کی ماری ایک کنّیا اپنے بچھڑے پریتم کی یاد میں کس طرح تڑپتی ہے کس طرح آنسو بہا کر اپنے پردیسی کو یاد کرتی ہے اس گیت میں اس برہن کی تصویر اسحاق ساجدؔ کیا خوب اُتاری ہے ملاحظہ ہو۔

پاگل منوا تم سے پوچھے کب آؤ گے تم پردیسی
مجھ برہن پر کیا کیا بیتے کب آؤ گے تم پردیسی
برسوں کے ہیں ہم تم بچھڑے کب آؤ گے تم پردیسی
مجھ برہن پر کیا کیا بیتے کب آؤ گے تم پردیسی

مجازی عشق سے ہٹ کر اگر ہم اِس گیت کو عشقِ حقیقی سے جوڑ لیں تو یہی گیت فلکی بلندیوں کو چھو لیتا بشرطیکہ کسی ولیِ روحانی کے قلم سے جنم لیا ہوتا۔ اِسحاق ساجدؔ اس زمرے میں شمار ہوتے ہیں یا نہیں، کم از کم 'میں' اِس حقیقت سے بے خبر ہوں۔۔!!! بہرحال گیت ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔گیت وہی تخلیق کرسکتا ہے جس کا فطری طور پر اس صنفِ کی جانب سچا میلان ہو۔اسحاق ساجد کے گیتوں کے مطالعے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اسحاق ساجدؔ جتنے اچھے غزل گو ہیں اس سے بھی اچھے گیت کار ہیں۔ہمیں یقین ہے کہ وہ گیت میں مشقِ سخن جاری رکھیں گے اور اُن کی کاوشیں انشاءاللہ ضرور ثمر آور ثابت ہوں گی۔

خورشید احمد جامی صاحب

15 مئی 1915 نئی غزل کے اہم شاعروں میں ایک، نظم، نثر نگار اور معروف شاعر ''خورشید احمد جامی صاحب'' کا یومِ ولادت۔نام خورشید احمد جامی ہے۔ جامی کی پیدائش 15 مئی 1915 میں حیدرآباد میں ہوئی۔ ان کا خاندان مہاراشٹر کا تھا لیکن ان کے نانا قاضی احمد فہیم حیدرآباد چلے آئے اور وکالت کرنے لگے اور حیدرآباد ہی کو اپنا مستقر بنالیا۔جامی کے والد کا انتقال ان کے بچپن میں ہی ہوگیا تھا اس لئے بہت جلدی معاشی مشکلات میں گھر گئے۔ پنجاب یونیورسٹی سے فاضل کی سند حاصل کی اور روزگار کی تلاش شروع کردی۔ کچھ عرصے تک محکمہ آبکاری میں ملازمت کی پھر طبعی مناسبت نہ ہونے کی وجہ سے مستعفی ہوگئے جامی کی شاعری اپنے ڈکشن اور اپنے موضوعات کے حوالے سے اپنی انفرادی شناخت رکھتی ہے۔ان کی شاعری نے اردو میں نئی غزل کو مستحکم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔جامی کی غزل اپنے عہد کے مسائل اور اردگرد بکھری ہوئی تلخ حقیقتوں کو تخلیقی انداز میں پیش کرتی ہے۔جامی کے شعری مجموعے ''رُخسارِ سحر'' اور ''یاد کی خوشبو'' بہت مقبول ہوئے۔جامی نے بچوں کیلئے بھی نثر اور نظم دونوں صورتوں میں لکھا۔ بچوں کیلئے لکھی گئی ان کی نظمیں ''تاروں کی دنیا'' کے نام سے شائع ہوچکی ہیں۔1970ء میں ان کا انتقال ہوا۔ (پیشکش: اعجاز زیڈ ایچ)

سرورؔ بارہ بنکوی صاحب

سرورؔ بارہ بنکوی اصل نام سعید الرحمن تھا۔وہ 30 جنوری 1927ء کو بارہ بنکی (یوپی۔ بھارت) میں پیدا ہوئے تھے۔

قیام پاکستان کے بعد پہلے کراچی اور پھر ڈھاکہ میں سکونت اختیار کی۔ جہاں انہوں نے فلم تنہا کے مکالمے لکھ کر اپنے فلمی سفر کا آغاز کیا اور پھر چندا، تلاش، ناچ گھر، کاجل، بہانہ، ملن، نواب سراج الدولہ، تم میرے ہو، آخری

اسٹیشن، چاند اور چاندنی، احساس، سونے ندیا جاگے پانی اور کئی دیگر فلموں کے نغمات لکھے جو بہت مقبول ہوئے اسی دوران انہوں نے تین فلمیں آخری اسٹیشن، تم میرے ہو اور آشا پروڈیوس اور ڈائریکٹ بھی کیں۔ آخری دنوں میں وہ بنگلہ دیش کے اشتراک سے ایک فلم ''کیمپ 333'' بنانا چاہتے تھے۔ وہ اسی سلسلے میں ڈھاکہ گئے ہوئے تھے کہ دل کا دورہ پڑنے کے باعث 3 اپریل 1980ء کو ڈھاکہ میں وفات پا گئے۔ ان کا جسد خاکی کراچی لایا گیا جہاں وہ سوسائٹی کے قبرستان میں آسودہ خاک ہوئے۔ سرور بارہ بنکوی کے دو شعری مجموعے سنگِ آفتاب اور سوز گیتی کے نام سے اشاعت پذیر ہو چکے ہیں۔

(پیشکش: اعجاز زیڈ ایچ)

رنجور عظیم آبادی

15 مئی 1863 اردو شاعری کے عظیم آباد اسکول کے علمبرداروں میں ایک نمایاں نام ''رنجور عظیم آبادی صاحب'' کا یومِ ولادت.. رنجور ان شاعروں میں سے ہیں جن کی شاعری عظیم آباد کو ایک الگ دبستانی حیثیت دینے میں معاون رہی۔ ان کی پیدائش 15 مئی 1863ء کو صادق پور (بہار) میں ہوئی۔ نام محمد یوسف جعفری تھا، رنجور تخلص اختیار کیا۔ شمس العلما اور خان بہادر خطاب پائے۔ ابتدائی تعلیم اپنے چچازاد بھائی مولانا عبدالحکیم سے حاصل کی اور 1883 میں کلکتہ یونیورسٹی سے انٹرنس پاس کیا۔ مدرسہ عالیہ کلکتہ کے رکن منتخب کئے گئے۔ کلکتہ یونیورسٹی کے صدر مدرس رہے اور بورڈ آف اگزامینیشن کے رکن منتخب کئے گئے۔ رنجور مولانا ا ابوالکلام آزاد کے قریبی دوستوں میں سے تھے۔ آزاد نے اپنے خطوط میں متعدد جگہوں پر رنجور کا ذکر کیا ہے۔ رنجور نے اپنی شاعری کی اشاعت میں کبھی دلچسپی نہیں لی۔ اسی بنا پر وہ ایک لمبے عرصے تک پردہ خفا میں رہے۔ خدا بخش لائبریری سے دستیاب ہونے والی ان کی بیاضوں کو دیوان رنجور کے نام سے شائع کیا گیا۔ رنجور کی شاعری میں سنجیدہ فکری مضامین کے ساتھ ساتھ طنز و مزاح کی صورتیں بھی نظر آتی ہیں

(پیشکش: اعجاز زیڈ ایچ)

شائق نصیر پوری کی غزل کا مزاج

اسحاق ساجد جرمنی

شائق نصیر پوری کی غزلیں اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ شائق نصیر پوری جو کہ جدید نسل کے شاعر ہیں اور قدیم و جدید کہ ہم آہنگی کو اپنا مسلک بنائے ہوئے ہیں۔ شائق نصیر پوری کی غزلوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فیضانِ فطرت کے سہارے ہی بڑے شاعر بننے کے خواب نہیں دیکھ رہے ہیں بلکہ حالات، زمانہ، ماحول اور رفتار کی امتزاج سے اپنی غزلوں میں روح پھونک رہے ہیں۔ اور شائق نصیر پوری کا مستقبل بہت شاندار نظر آ رہا ہے۔ شائق نصیر پوری ایک حساس شاعر ہیں وہ امن کی فاختہ اُڑانا چاہتے ہیں۔ دلوں میں اُترنے اور لہو میں سرایت کر جانے والے اشعار معنی کو اُجالنے اور چمکانے کا کردار ادا کرتے ہیں۔ شائق نصیر پوری کی غزل میں ایک گداز ہے مخروتی ہے اُن کی نگاہ اپنے گردو پیش پھیلے ہوئے مناظر پر ہے جیسا کہ ان کے اشعار سے ملتی ہے۔ اشعار اُن کے فکری سانچے میں ڈھل کر باہر آتے ہیں اور وقت کے بیکراں سمندر کے ساحل پر موتیوں کی طرح جگمگاتے ہیں۔ شائق نصیر پوری کی غزل کی پہلی خوبی اسلوبی طہارت ہے انہوں نے اسے سجانے سنوارنے کی خاطر اپنا طریقِ بیان سادگی و پرکاری سے ہم رشتہ کیا ہے۔ آپ کی اکثر غزلیں فکر و احساس کی ندرت، روایت و رُجحان کی جدّت طرز ادا کی شدت کے عناصرِ ثلاثہ سے عبارت ہیں۔ عہدِ جاریہ میں معاملہ یہ ہے کہ شعرا کے پاس الفاظ تو ہیں لیکن مہمل، اظہار ہے لیکن بے معنی۔ لیکن نارسا! شائق صاحب کی شاعری اس کے برخلاف متاثر بھی کرتی ہے۔ مطمئن بھی کرتی ہے۔ بحیثیت مجموعی شائق نصیر پوری کی شاعری میں تہہ داری بھی اور تنوع بھی، تازگی بھی ہے، وارفتگی بھی ہے، جذبہ بھی عشق کی جدت بھی اور عزم کی شدت بھی۔ شائق نصیر پوری کا شعری سفر ابھی جاری ہے اور مجھے یہ کہنے میں باک نہیں کہ ابھی انہیں اپنی شہرتوں کے آفاق پر شمس و قمر کی طرح اپنے نام و تخلص کی مناسبت سے اور درفشاں ہونا ہے اس اعتراف و اعتبار اور مقبولیت کی بہت سی بلندیاں مزید سر کرنا ہیں۔ میرے قیاس و خیال کی پیشگوئی، ان کے تخلیقی رنگارنگیوں، فنی و فکری جولانیو اور شعری و ادبی کارگزاریوں کی روشنی میں بخوبی اور بآسانی لی جا سکتی ہے۔

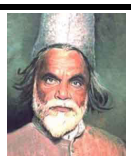

جگرؔ مرادآبادی

شہنشاہِ تغزل، رئیس المتغزلین، ممتاز ترین قبل از جدید شاعروں میں نمایاں، بے پناہ مقبولیت کے لئے معروف، مترنّم لب و لہجے کے مشہور شاعر ''حضرتِ جگرؔ مرادآبادی صاحب'' کا یومِ ولادت ۶۔اپریل ۱۸۹۰۔ جگرؔ مرادآبادی، نام علی سکندر تخلص جگر۔تعلیم قرآن پاک، فارسی اور اردو کی تعلیم اس زمانے کے دستور کے مطابق گھر پر ہوئی۔ان کے والد علی نظر شاعر تھے۔جگر کے خاندان کے دوسرے اصحاب بھی شاعر تھے،اس طرح جگر کو شاعری ورثے میں ملی۔چنانچہ جگر کی شعر گوئی کا آغاز اس وقت ہوا جب وہ 41 برس کے تھے۔ابتدا میں انہوں نے حیات بخش رسا کو کلام دکھایا، پھر حضرتِ داغ سے رجوع کیا اور کچھ عرصہ امیر اللہ تسلیم سے بھی اصلاح لی۔جگر صاحب کی زندگی کا بڑا حصہ مختلف اضلاع میں گزرا۔ان کا پیشہ چشموں کی تجارت تھا۔اصغر گونڈوی کی صحبت نے جگر کی شاعری کو بہت جلا بخشی۔جگرؔ مشاعروں کے بہت کامیاب شاعر تھے۔ان کا ترنم بہت اچھا تھا۔بحیثیت انسان وہ نہایت شریف واقع ہوئے تھے۔بھارتی حکومت نے انھیں ''پدما بھوشن'' خطاب دیا۔علی گڑھ یونیورسٹی نے جگر کو ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری دی۔ان کے آخری مجموعہ کلام ''آتش گل'' پر ان کو ساہتیہ اکیڈمی سے انھیں پانچ ہزار روپیہ کا انعام ملا۔اور دوسو روپیہ ماہ نامہ وظیفہ مقرر ہوا۔'آتش گل' کے علاوہ ''داغ جگر'' اور ''شعل طور'' ان کی شاعری کے مجموعے ہیں۔شراب ترک کرنے کے بعد ان کی صحت بہت خراب رہنے لگی تھی۔وہ مستقل طور پر گونڈہ میں قیام پذیر ہوگئے تھے۔9 ستمبر 1960ء کو تقریباً صبح 6 بجے اس دنیا سے رُخصت ہوگئے۔

(پیمانہ غزل (جلد اول)، محمد شمس الحق، صفحہ:315)

سراجؔ اورنگ آبادی صاحب

صوفی شاعر جن کی مشہور غزل 'خبر تحیرِ عشق' بہت گائی گئی ہے، بزرگ صوفی شاعر ''سراجؔ اورنگ آبادی صاحب'' کا تخلص سراج مارچ ۱۸۱۲ ولادت۔یومِ وفات ۱۶ اپریل ۱۸۶۳۔

وطن اورنگ آباد۔وہیں تعلیم و تربیت پائی۔آپ سادات کے ایک برگزیدہ خاندان کے فرد تھے۔بارہ برس کی عمر میں ان پر وحشت طاری ہوگئی اور گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔یہ کیفیت سات سال تک رہی۔وہ ایک درویش اور باکمال صوفی بزرگ تھے۔ان کے مرید اور شاگرد بہ کثرت تھے۔انھوں نے ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی۔اردو کی ایک ضخیم کلیات، فارسی اساتذہ کے کلام کا انتخاب اور ایک مثنوی ''بوستانِ خیال'' ان کی یادگار ہے۔ولیؔ کے انتقال کے بعد سراجؔ شاعری میں ان کے قائم مقام سمجھے جاتے ہیں۔سراجؔ اورنگ آباد، ۱۶ اپریل ۱۷۶۳ء کو انتقال کر گئے۔

بحوالہ: پیمانہ غزل (جلد اول) محمد شمس الحق صفحہ:47)

صوفی شاعر سراجؔ اورنگ آبادی کے یومِ وفات پر منتخب اشعار بطورِ خراجِ عقیدت پیش ہیں۔

آئی ہے ترے عشق کی بازی دل و جاں پر
اس وقت نظر کب ہے مجھے سود و زیاں پر
آشنائی سیں وگرنہ مجلسِ عشاق میں
ظلم ہے غم ہے قیامت ہے خرابی اے صنم
اس ادب گاہ کوں توں مسجد جامع مت بوجھ
شیخ بے باک نہ جا گوش مے خانے میں
تحقیق کی نظر سے آخر کیوں ہم نے دیکھا
اکثر ہیں مال والے کم ہیں کمال والے
ترے سخن میں اے ناصح نہیں ہے کیفیت
زبان قلقل مینا سے سن کلامِ شراب
جس کو تجھ غم سے دل شگافی ہے
مرہم وصل اس کو شافی ہے
حاکمِ عشق نے جب عقل کی تقصیر سنی
ہو غضب حکم دیا دیس نکالا کرنے
خبر تحیر عشق سن نہ جنوں رہا نہ پری رہی
نہ تو تو رہا نہ تو میں رہا جو رہی سو بے خبری رہی
دو رنگی خوب نہیں یک رنگ ہوجا
سراپا موم ہو یا سنگ ہوجا

دیکھا ہے جس نے یار کے رُخسار کی طرف
ہرگز نہ جاوے سیر کو گل زار کی طرف
سنا ہے جب سے تیرے حسن کا شور
لیا زاہد نے مسجد کا کنارا
عشق کا نام گرچہ ہے مشہور
میں تعجب میں ہوں کہ کیا شے ہے
سراجؔ ان خوب روّیوں کا عجب میں قاعدہ دیکھا
بلاتے ہیں دکھاتے ہیں لبھاتے ہیں چھپاتے ہیں

حضرتِ منورؔ بدایونی صاحب

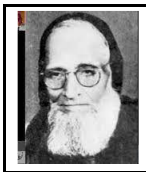

شاعر محشرؔ بدایونی 6 اپریل 1984 معروف شاعر محشرؔ بدایونی کے برادر اکبر اور اردو کے ممتاز نعتیہ شاعر ''حضرتِ منورؔ بدایونی صاحب'' کا یومِ وفات سے نورؔ بدایونی کا اصل نام ثقلین احمد تھا۔ وہ 2 دسمبر 1908ء کو بدایوں میں پیدا ہوئے۔ ان کے شعری مجموعوں میں منور نعتیں، منور غزلیں، منور نغمات اور منور قطعات کے نام شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے نعتیہ کلام کی کلیاتی بھی اشاعت پزیر ہوچکی ہے۔ منورؔ بدایونی کے چھوٹے بھائی محشرؔ بدایونی اردو کے ممتاز شاعروں میں شمار ہوتے ہیں۔ ۶۔ پریل ۱۹۸۴ء کو منورؔ بدایونی کراچی میں وفات پا گئے اور عزیز آباد کے قبرستان میں آسودہ خاک ہوئے۔ ممتاز شاعر منورؔ بدایونی کے یوم وفات پر منتخب اشعار بطور خراجِ عقیدت

جو دل کو دے گئی اک درد عمر بھر کے لیے
تڑپ رہا ہوں ابھی تک میں اس نظر کے لیے
اب کنجِ لحد میں ہوں میسر نہیں آنسو
آیا ہے شب ہجر کا رونا مرے آگے
علاج کی نہیں حاجتِ دل و جگر کے لیے
بس اک نظر تری کافی ہے عمر بھر کے لیے
نظر آتی ہیں سوئے آسماں کبھی بجلیاں کبھی آندھیاں
کہیں جل نہ جائے یہ آشیاں کہیں اُڑ نہ جائیں یہ چار پر

پیچھے مڑ مڑ کر نہ دیکھو اے منورؔ بڑھ چلو
شہر میں احباب تو کم ہیں سگے بھائی بہت
جب تری شانِ کریمی پہ نظر جاتی ہے
زندگی کتنے مراحل سے گزر جاتی ہے
ہے حشر کا دن حاضرِ دربار ہیں بندے
یا رب تری رحمت کے طلب گار ہیں بندے
جب اپنے حسن کی محفل سجانے کا خیال آیا
چراغِ بزمِ امکاں کو جلانے کا خیال آیا
گئے خلوت میں وہ عرشِ الٰہی کا اُٹھا پردہ
کہ دونوں طالب و مطلوب تھے دونوں میں کیا پردہ
یہ حسرت ہے ترے روضے کو جا کر ہم بھی دیکھیں گے
جبینِ شوق اس در پر جھکا کر ہم بھی دیکھیں گے
دعاؤں میں اثر دے یا الٰہی
مرادیں پوری کر دے یا الٰہی
جسے چاہا در پہ بلا لیا، جسے چاہا اپنا بنا لیا
یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے، یہ بڑے نصیب کی بات ہے

منور بدایونی

رُخصتیں ملیں جب بھی، رنجشیں بھلا دینا، کون جانے سانسوں کی مہلتیں کہاں تک ہیں آؤ جانچ لیتے ہیں، درد کے ترازو پر، کس کے غم کہاں تک ہیں، شدتیں کہاں تک ہیں ایک شام آجاؤ، کھُل کر حالِ دل کہہ لیں، کون جانے سانسوں کی مہلتیں کہاں تک ہیں کچھ عزیز لوگوں سے پوچھنا تو پڑتا ہے آج کل محبت کی، قیمتیں کہاں تک ہیں فرصتیں ملیں جب بھی رنجشیں بھلا دینا، کون جانے سانسوں کی مہلتیں کہاں تک ہیں!!

عرشؔ صدیقی صاحب

افسانہ نگار، نقاد اور ممتاز و معروف شاعر ''عرشؔ صدیقی صاحب'' کا یومِ

وفات۔نام ارشاد الرحمن اور تخلص عرشؔ تھا۔ ۱۲ جنوری ۱۹۲۷ء کو گورداس پور (مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ ایم اے (انگریزی) گورنمنٹ کالج، لاہور سے کیا۔ پی ایچ ڈی ورلڈ یونیورسٹی اری زونا (امریکہ) سے کیا۔ پروفیسر شعبہ انگریزی گورنمنٹ کالج ملتان، چیئرمین پروفیسر شعبہ انگریزی بہاءالدین زکریا یونیورسٹی ملتان اور رجسٹرار بہاءالدین زکریا یونیورسٹی ملتان کے عہدوں پر فائز رہے۔ ۸۔اپریل ۱۹۹۷ء کو ملتان میں انتقال کر گئے۔ شاعری کے علاوہ افسانہ اور تنقید بھی لکھتے تھے۔ان کی تصانیف کے چند نام یہ ہیں ''دیدہ یعقوب''، 'محبت لفظ تھا میرا'، 'ہر موج ہوا تیز' (شعری مجموعے)، 'باہر کفن سے پاؤں' (افسانے) پر آدم جی ایوارڈ ملا۔ 'تکوین'، 'محاکمات'، 'شعور'، 'سائنسی شعور اور ہم' (تنقید)۔

(بحوالہ: پیمانہ غزل (جلد دوم)، محمد شمس الحق، صفحہ: 200)

(پیشکش: اعجاز زیڈ ایچ)

نامور شاعر ''منیرؔ نیازی صاحب

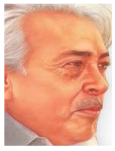

9 اپریل 1928ء بیسویں صدی میں اردو اور پنجابی زبان کے اہم ترین شاعروں میں شمار، منفرد لب و لہجے کے نامور شاعر ''منیرؔ نیازی صاحب'' کا یومِ ولادت..نام محمد منیر خاں اور تخلص منیر ہے۔ ۹/اپریل ۱۹۲۸ کو خان پور، ضلع ہوشیار پور میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۷ میں بی اے کیا۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستان آ گئے۔مختلف اخبارات اور جرائد سے وابستہ رہے۔ فلمی نغمہ نگاری کی۔غزل ان کی بنیادی شناخت ہے۔ پابند اور آزاد نظمیں بھی کافی تعداد میں لکھی ہیں۔ نثری نظمیں بھی لکھتے تھے۔پنجابی کے بھی بہت اچھے شاعر تھے۔وہ اردو اور پنجابی کے ۳۰ سے زائد کتابوں کے مصنف تھے۔ اردو شاعری کے چند مجموعوں کے نام یہ ہی 'تیز ہوا اور تنہا پھول'، 'جنگل میں دھنک'، 'دشمنوں کے درمیان شام'، 'ماہِ منیر'، 'اس بے وفا کا شہر'، 'چھ رنگین دروازے'۔ان کو یکجا کر کے ''کلیاتِ منیر''، 'غزلیاتِ منیر'، اور 'نظمِ منیر'، چھپ گئی ہے۔ ۲۶ دسمبر ۲۰۰۶ء کو لاہور میں انتقال کر گئے۔ انہیں اکادمی ادبیات پاکستان کا 'کمالِ فن' ایوارڈ دیا گیا۔انھیں حسن کارکردگی ایوارڈ کے علاوہ دو مرتبہ ستارہ امتیاز سے بھی نوازا گیا۔

(بحوالہ: پیمانہ غزل (جلد دوم)، محمد شمس الحق، صفحہ: 221)

(پیشکش: اعجاز زیڈ ایچ)

مشہور شاعر منیرؔ نیازی کے یومِ ولادت پر منتخب اشعار بطور خراجِ عقیدت

اپنی ہی تیغِ ادا سے آپ گھائل ہو گیا
چاند نے پانی میں دیکھا اور پاگل ہو گیا
خمارِ شب میں اسے میں سلام کر بیٹھا
جو کام کرنا تھا مجھ کو وہ کام کر بیٹھا
غیروں سے مل کے ہی سہی بے باک تو ہوا
بارے وہ شوخ پہلے سے چالاک تو ہوا
غم کی بارش نے بھی تیرے نقش کو دھویا نہیں
تو نے مجھ کو کھو دیا میں نے تجھے کھویا نہیں
کل میں نے اس کو دیکھا تو دیکھا نہیں گیا
مجھ سے بچھڑ کے وہ بھی بہت غم سے چور تھا

معروف شاعر ''عبدالحمید عدمؔ صاحب

10 اپریل 1910ء مقبول عام شاعر، مقبول عوام غزل گو شاعر، زندگی اور محبت پر مبنی رومانی شاعری کے لیے معروف شاعر ''عبدالحمید عدمؔ صاحب'' کا یومِ ولادت عدمؔ، عبدالحمید نام سیّد عبدالحمید، تخلص عدمؔ۔ 10 اپریل ۱۹۱۰ء کوتلونڈی، موسیٰ خاں ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔تعلیم و تربیت لاہور میں ہوئی۔ بی اے پاس کرنے کے بعد ملٹری اکاؤنٹس کے محکمے میں ملازم ہو گئے اور اکاؤنٹس افسر کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ اوائل عمر ہی سے شعر و شاعری کا شوق تھا۔کسی کے آگے زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا۔ دوسری جنگ عظیم میں ملک سے باہر بھی رہے۔نظم، غزل، قطعہ میں طبع آزمائی کی، لیکن غزل سے ان کی طبیعت کو خاص مناسبت تھی۔ عدم ایک مقبول عوام غزل گو شاعر تھے۔''نقشِ دوام'' عدم کا اولین مجموعہ کلام تھا۔ اس کے بعد ان کے متعدد مجموعے شائع ہوئے۔ چند نام یہ ہیں 'خرابات'، 'چارہ درد'، 'زُلفِ پریشاں'، 'سرو سمن'، 'گردشِ جام'، 'شہرِ خوباں'، 'گلنار'، 'عکسِ جام'، 'رم آہو'، 'بط مے'، 'نگارِ خانہ'، 'سازِ صدف'، 'رنگ و آہنگ' 10 مارچ ۱۹۸۱ء کو لاہور میں انتقال کر گئی۔

مقبول شاعر عبدالحمید عدمؔ کے یومِ ولادت پر منتخب اشعار بطورِ اظہارِ عقیدت۔

آنکھ کا اعتبار کیا کرتے
جو بھی دیکھا وہ خواب میں دیکھا

آنکھوں سے پلاتے رہو ساغر میں نہ ڈالو
اب ہم سے کوئی جام اُٹھایا نہیں جاتا

اجازت ہو تو میں تصدیق کرلوں تیری زلفوں سے
سنا ہے زندگی اک خوبصورت دام ہے ساقی

اک حسیں آنکھ کے اشارے پر
قافلے راہ بھول جاتے ہیں

اے دوست محبت کے صدمے تنہا ہی اٹھانے پڑتے ہیں
رہبر تو فقط اس رستے میں دو گام سہارا دیتے ہیں

اے غمِ زندگی نہ ہونا راضی
مجھ کو عادت ہے مسکرانے کی

بارش شراب عرش ہے یہ سوچ کر عدم
بارش کے سب حروف کو الٹا کے پی گیا

بعض اوقات کسی اور کے ملنے سے عدم
اپنی ہستی سے ملاقات بھی ہو جاتی ہے

پہلے بڑی رغبت تھی ترے نام سے مجھ کو
اب سن کے ترا نام میں کچھ سوچ رہا ہوں

آوارگی کا شوق بھڑکتا ہے اور بھی
تیری گلی کا سایہ دیوار دیکھ کر

آنکھوں کے تصادم میں حکایات کی دنیا
ہونٹوں کے تصادم میں خرابات کا عالم

تخلیقِ کائنات کے دلچسپ جرم پر
ہنستا تو ہوگا آپ بھی یزداں کبھی کبھی

توبہ کا تکلف کون کرے حالات کی نیت ٹھیک نہیں
رحمت کا ارادہ بگڑا ہے برسات کی نیت ٹھیک نہیں

خالی ہے ابھی جام میں کچھ سوچ رہا ہوں
اے گردشِ ایّام میں کچھ سوچ رہا ہوں

تکلیف مٹ گئی مگر احساس رہ گیا
خوش ہوں کہ کچھ نہ کچھ تو مرے پاس رہ گیا

جن سے انساں کو پہنچتی ہے ہمیشہ تکلیف
ان کا دعویٰ ہے کہ وہ اصل خدا والے ہیں

جیب خالی ہے عدمؔ مے قرض پر ملتی نہیں
ایک دو بوتل پہ دیواں بیچنے والا ہوں میں

دروغ کے امتحاں کدے میں سدا یہی کاروبار ہوگا
جو بڑھ کے تائید حق کرے گا وہی سزاوار دار ہوگا

سو بھی جا اے دلِ مجروح بہت رات گئی
اب تو رہ رہ کے ستاروں کو بھی نیند آتی ہے

ساقی مجھے شراب کی تہمت نہیں پسند
مجھ کو تری نگاہ کا الزام چاہیئے

(بشکریہ عادل علی بیگ)

آؤ پنج نمازاں پڑھ پڑھ رُسیا یار منائیے
کر کر توبہ استغفار اپنے پاپ مٹائیے
در جوانی توبہ کر کے سوہنے رب نو پائیے
مٹی دے نال مٹی ہو کے اپنا آپ مٹائیے
نیواں رہ کے تھلے بیٹھ کے اپنی عمر ہنڈائیے
بن بن کملا پا کے کملی اپنی چھاپ مٹائیے
صبح سویرے، رات انیرھے تسبیح اودھی کریئے
کر کر چوراں وانگ عبادت اپنی چاپ مٹائیے
کاشف سدھی راہ تے ٹر کے منزل سچی پائیے
نفساں آتے دنیا والی رل کے ٹھاپ مٹائیے

شیخ امام بخش ناسخ صاحب

لکھنؤ کے ممتاز اور رجحان ساز کلاسیکی شاعر غالبؔ کے ہم عصر، بانی زبان دان دبستانِ لکھنؤ اور زبان شناس مقبول استاد شاعر ''شیخ امام بخش ناسخؔ صاحب'' کا یومِ ولادت۔ نام شیخ امام بخش، ناسخ تخلص۔10 اپریل 1727ء کو فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک شخص مسمیٰ خدا بخش خیمہ دوز نے، جو لاہور کا ایک دولت مند سوداگر تھا اور اس کی کوئی اولاد نہ تھی، ان کو متبنیٰ بنالیا تھا۔ ناسخ سے اسے اولاد کی طرح محبت تھی اور ان کی تعلیم

وتربیت کا خاص خیال رکھا۔ محمد عیسیٰ جو مصحفی کے شاگرد تھے ان سے مشورہ سخن کرتے تھے۔ ناسخ کو ورزش کا بہت شوق تھا۔ بڑے تن وتوش اور قوی ہیکل آدمی تھے۔ خوراک بہت تھی۔ تمام عمر مجرد رہے۔ بہت وضع دار آدمی تھے۔ غازی الدین حیدر کے زمانے میں لکھنؤ گئے۔ بادشاہ موصوف ان کو دربار سے متعلق کرنا چاہتے تھے اور ملک الشعرا کا خطاب دینا چاہتے تھے۔ ناسخ نے خطاب قبول نہیں کیا۔ بادشاہ کو غصہ آ گیا اور ناسخ کو لکھنؤ چھوڑنا پڑا۔ اگست 1938ء کو انتقال کر گئے۔ دو دیوان ان کی یادگار ہیں۔ وزیرؔ، بحرؔ، برقؔ، رشکؔ، منیر ان کے شاگرد تھے۔ ناسخ کو دبستان لکھنؤ کا بانی زبان دان اور زباں شناس کہا گیا ہے۔ تاریخ گوئی میں ان کو خاص ملکہ تھا۔ ممتاز شاعر امام بخش ناسخ کے یومِ ولادت پر منتخب اشعار بطورِ خراجِ عقیدت۔

آنے میں سدا دیر لگاتے ہی رہے تم
جاتے رہے ہم جان سے آتے ہی رہے تم
اے اجل ایک دن آخر تجھے آنا ہے ولے
آج آتی شبِ فرقت میں تو احساں ہوتا
دریائے حسن اور بھی دو ہاتھ بڑھ گیا
انگڑائی اس نے نشے میں لی جب اٹھا کے ہاتھ
دیکھ کر تجھ کو قدم اٹھ نہیں سکتا اپنا
بن گئے صورتِ دیوار ترے کوچے میں
فُرقتِ یار میں انسان ہوں میں یا کہ سحاب
ہر برس آ کے رلا جاتی ہے برسات مجھے

ساحر لدھیانوی

دُنیا سے وابستگی ان کی عوام تک پہنچنے کی اسی خواہش کی آئینہ دار تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ساحر فلمی دنیا میں اپنی آئیڈیالوجی ساتھ لے کر آئے، اور دوسرے ترقی پسند نغمہ نگاروں کے مقابلے میں انھیں اپنی آئیڈیالوجی کو عوام تک پہنچانے کے مواقع بھی زیادہ ملے، جس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ انھوں نے جن فلم سازوں کے ساتھ زیادہ کام کیا وہ خود ترقی پسندانہ خیالات کے مالک تھے۔ اس سلسلے میں گرودت، بی آر چوپڑا اور یش راج چوپڑا کی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ میں صرف ایک مثال دوں گا۔

مقبول شاعر ساحر کتنے با اثر فلمی شاعر تھے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انھوں نے کم از کم دو ایسی انتہائی مشہور فلموں کے گانے لکھے جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کی کہانی ساحر کی اپنی زندگی سے ماخوذ تھی۔ ان میں گرودت کی پیاسا اور یش راج کی کبھی کبھی شامل ہیں۔ پیاسا کے گانے تو درجہ اول کی شاعری کے زمرے میں آتے ہیں:

یہ محلوں یہ تختوں یہ تاجوں کی دنیا
یہ انساں کے دُشمن سماجوں کی دنیا
یہ دنیا اگر مل بھی جائے تو کیا ہے...

اور یہ گانا جانے وہ کیسے لوگ تھے جن کے پیار کو پیار ملا۔ اسی طرح کبھی کبھی میں'' کبھی کبھی میرے دل میں یہ خیال آتا ہے'' کے علاوہ'' میں پل دو پل کا شاعر ہوں'' ایسے گانے ہیں جو صرف ساحر ہی لکھ سکتے تھے۔ ظاہر ہے کہ کسی اور فلمی شاعر کو یہ چھوٹ نہیں ملی کہ وہ اپنے حالاتِ زندگی پر مبنی نغمے لکھے۔

بی گریڈ موسیقار بعد میں انہوں نے کئی بی گریڈ موسیقاروں کے ساتھ کام کیا، جن میں خیام کے علاوہ روّی، این دتا اور جے دیو شامل ہیں۔ اور ان درجہ دوم کے موسیقاروں کے ساتھ بھی ساحرؔ نے کئی لافانی نغمے تخلیق کیے، جیسے روّی کے ساتھ'' ملتی ہے زندگی میں محبت کبھی کبھی'' '' نیلے گگن کے تلے'' چھو لینے دو نازک ہونٹوں کو'' وغیرہ، این دتا کے ساتھ'' '' میں نے چاند اور ستاروں کی تمنا کی تھی'' میں جب بھی اکیلی ہوتی ہوں'' اور'' دامن میں داغ لگا بیٹھے''، وغیرہ اور جے دیو کے ساتھ'' ابھی نہ جاؤ چھوڑ کر کہ دل ابھی بھرا نہیں'' میں زندگی کا ساتھ نبھاتا چلا گیا'' رات بھی ہے کچھ بھیگی بھیگی'' وغیرہ شامل ہیں۔

مجروح شکیل بدایونی اور ساحر

ساحر اور مجروح سلطان پوری کا نام اکثر ساتھ ساتھ لیا جاتا ہے، لیکن میرے خیال سے دونوں شعرا کا پس منظر ایک جیسا ہونے کے باوجود ساحر مجروح سے کہیں بہتر فلمی شاعر تھے۔ مجروح کی فلمی نغمہ نگاری اکثر کھوکھلی نظر آتی ہے، وہ شاعری کے ادبی پہلو سے مکمل انصاف نہیں کر پاتے۔ جو کام ساحر بہت سہولت سے کر گزرتے ہیں، وہاں اکثر اکثر مجروح کی سانس قدم اُکھڑنے لگتی ہے۔ مجروح کی فلمی بولوں کی ایک نمایاں بات یہ ہے کہ وہ سننے

میں بہت بھلے لگتے ہیں لیکن جوں ہی کاغذ پر لکھے جائیں، ان میں عیب نظر آنے لگتے ہیں۔اس کے مقابلے پر ساحر کی فلمی شاعری کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ نک سک سے درست اور عام طور پر ادبی لحاظ سے بے عیب ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ کاغذ پر لکھنے کے معیار پر بھی پورا اترتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ کسی اور فلمی گیت نگار کے گیتوں کے اتنے ایڈیشن نہیں چھپے جتنے ساحر کے'' گاتا جائے بنجارا'' اور'' گیت گاتا چل'' کے۔ایک اور فلمی شاعر شکیل بدایونی ہیں جن کا نام ساحر کے ساتھ لیا جاتا ہے۔لیکن دونوں کا کوئی مقابلہ نہیں۔شکیل کے ہاں بعض جگہ عروض کی غلطیاں بھی نظر آتی ہیں، مثال کے طور پر وہ لفظ'' نہ'' کو بر وزنِ'' نا'' بھی باندھ جاتے ہیں، جو عروض کے اعتبار سے غلط ہے۔اس کے علاوہ شکیل کے ہاں زبان و بیان کی کوئی تازگی نظر نہیں آتی، وہی لگی بندھی تشبیہات، پامال استعارات اور استعمال شدہ ترکیبوں کی بھرمار شکیل کا خاصہ ہے۔

ساحر لدھیانوی پر لکھے گئے مقالات

مقالات پی ایچ ڈی: ساحر لدھیانوی: حیات اور شاعری، ڈاکٹر ضیاء الدین نگران ڈاکٹر محمد مطیع الرحمٰن، للت نرائن متھلا یونیورسٹی۔دربھنگہ، 1989ء

ساحر لدھیانوی: حیات اور شاعری، ڈاکٹر آنسہ پروین نگران ڈاکٹر افغان اللہ خاں۔دین دیال اپادھیاے یونیورسٹی۔گورکھپور، 1999ء

ساحر لدھیانوی اور معاصر شعراء۔ایک جائزہ، ڈاکٹر عبدالرؤف شاد نگران ڈاکٹر یونس غازی، چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی۔میرٹھ، 2003ء

مقالات ایم فل ساحر: شخص اور شاعر، انور ظہیر نگران ڈاکٹر اسلم پرویز جواہر لعل نہرو یونیورسٹی۔دہلی، 1988ء

کتابیات: تنہائیاں، ساحر لدھیانوی، لاہور، جہانگیر سنز بک سیلرز

* - سرخ ستارہ، قومی دارالاشاعت، ت ن، ص 39
* - تلخیاں، ساحر لدھیانوی، لاہور، مکتبہ دستور، 1958ء
* - مضامین، محمد علی صدیقی، کراچی، ادارہ عصرِ نو، 1991ء، ص 237
* - سُرورِ رفتہ، امیر چند بہار، پٹنہ، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، 1998ء، ص 257
* - نکہتِ اُردو، پروفیسر درخشاں کاشف، کراچی، قمر کتاب گھر، 2004ء، ص 255
* - جامعات میں اُردو تحقیق، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، اسلام آباد، ہائر ایجوکیشن کمیشن، 2008ء، ص 156

کتابیات (ساحر شناسی)

* - ساحر: شخص اور شاعر، نازصدیقی، دہلی، سٹار پبلی کیشنز، 1978ء 191 ص
* - ساحر اور اُس کی شاعری، پرکاش پنڈت، دہلی، سٹار پبلی کیشنز، 140 ص
* - ساحر لدھیانوی: ایک مطالعہ، مخمور سعیدی۔

فیض احمد فیض

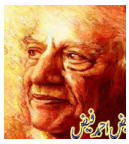

فیض احمد فیض کا نام شعر و ادب کی دنیا میں کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ ان کا 88واں یوم پیدائش ہفتہ 13 فروری کو ہے۔اردو ادب کے بہت سے ناقدین کے نزدیک فیض احمد فیض غالب اور اقبال کے بعد اُردو کے سب سے بڑے شاعر تھے۔میر غالب اور اقبال کے بعد جو داد و تحسین اور مقبولیت ان کے حصے میں آئی وہ شاید ہی کسی کے نصیب میں آئی ہو۔فیض ایک لازوال شاعر ہی نہیں بلکہ ان کی نثر بھی باکمال اور منفرد اسلوب کی حامل ہے۔فیض نے شاعری شروع کی تو اس وقت بہت سے قدآور شعراء موجود تھے جن کے درمیان خود کو منوانا آسان کام نہ تھا۔جگر مرادآبادی، فراق گورکھپوری اور جوش ملیح آبادی کے سامنے کسی کا چراغ نہ جلتا تھا۔لیکن فیض کے منفرد انداز نے انھیں شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیا۔ان کی شعری تصانیف میں نقش فریادی، دست صبا، زنداں نامہ، دست تہ سنگ، شام شہر یاراں سرِوادیِ سینا، مرے دل مرے مسافر اور نسخہ ہائے وفا شامل ہیں۔فیض انگریزی، اردو اور پنجابی کے ساتھ ساتھ فارسی اور عربی پر بھی عبور رکھتے تھے۔انہوں نے ان زبانوں کی کلاسیکی شاعری سے براہ راست استفادہ کیا۔اردو کی کلاسیکی شاعری پر بھی ان کی گہری نگاہ تھی۔وہ 13 فروری 1915 کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔انجمن ترقی پسند تحریک کے فعال رکن اور ایک ممتاز کمیونسٹ رہے۔فیض احمد فیض نے 1930 میں انگریز شہری ایلس سے شادی کی۔وہ بھی شعبہ تحقیق سے وابستہ تھیں اور فیض کی شاعری اور شخصیت سے متاثر تھیں۔فیض نے 1935ء میں ایم اے او کالج امرتسر میں لیکچرر کی حیثیت سے ملازمت کی پھر 1942ء میں فوج میں کیپٹن کی حیثیت

سے شامل ہو گئے اور فوج کے محکمہ تعلقات عامہ میں کام کیا۔ 1943 میں میجر اور پھر 1944ء میں لیفٹیننٹ کرنل کے عہدے پر ترقی پا گئے۔ 1947ء میں انھوں نے فوج سے استعفیٰ دے دیا اور 1959ء میں پاکستان آرٹس کونسل میں سیکریٹری تعینات ہوئے پھر 1962ء تک وہیں کام کیا۔ اس کے علاوہ ادبی رسالہ ادبِ لطیف کے مدیر اور اس کے بعد روزنامہ پاکستان ٹائمز، روزنامہ امروز اور ہفت روزہ لیل و نہار کے مدیر اعلیٰ رہے۔ 9 مارچ 1951ء کو فیض احمد فیض راولپنڈی سازش کیس میں معاونت کے الزام میں گرفتار کر لئے گئے۔ انہوں نے چار سال سرگودھا، ساہیوال، حیدرآباد اور کراچی کی جیل میں گزارے۔ دو اپریل 1955ء کو انہیں رہا کر دیا گیا۔ کلاسیکی شعراء کی گہری چھاپ ان کے ہاں نظر آتی ہے یہ ہی وجہ ہے کہ ترقی پسندی کی تند و تیز آندھی میں بھی ان کی شاعری کا معیار برقرار رہا۔ ایک کامیاب اور نشیب و فراز سے بھرپور زندگی گزارنے کے بعد فیض احمد فیض 20 نومبر 1984ء کو انتقال کر گئے۔

میر تقی میر

میر تقی میر اردو کے نہایت بلند پایا شاعر ہیں۔ میر کے تخلص میں ہی ان کی شاعری کی قدر و قیمت پر تو موجود ہے۔ میر تقی میر بلا شبہ اردو غزل کے میرِ کارواں ہیں۔ انہوں نے اردو کی مختلف صنفوں میں طبع آزمائی کی مگر ان کا اصل میدانِ غزل ہے۔ ان کی غزل کی سب سے بڑی خوبی سوز و گداز اور تاثیر ہے۔ ان کے کلام کی ایک اور خصوصیت ان کے کلام کی سادگی اور زبان و بیان کی اصلاح ہے۔ جس کی بدولت اردو شاعری کے ساتھ ساتھ اردو زبان میں بھی وسعت اور گہرائی پیدا ہوئی۔ میر کی غزلیں جذباتی زندگی اور تمدنی احوال کی ترجمان ہیں۔ ان کی شاعری کا اعتراف نہ صرف ان کے معاصرین نے کیا بلکہ بعد میں آنے والے تمام اہم شاعروں نے ان کو خراجِ تحسین پیش کیا۔۔

خاندانی پس منظر:: میر تقی میر کے اسلاف ارضِ حجاز سے وارد ہندوستان ہوئے ان کے پردادا نے اکبرآباد میں بود و باش اختیار کی اور یہیں میر بھی پیدا ہوئے انکی پرورش دلی میں انجام پائی۔ ان کے والد میر متقی۔ درویش کامل تھے اور گریہ و استغراق اور کیف مجذوبی میں گم رہتے تھے ان کے بچپن کے اتالیق سید امان اللہ تھے جبکہ والد اور اتالیق دونوں زیادہ دیر نہ جیئے میر کے سوتیلے بھائی نے ان کی جائداد پر قبضہ کر لیا اور ان کے اپنے ماموں سراج الدّین آرزو کی بدسلوکی سے طبیعت جنونی ہو گئی۔

میر کے سید ہونے کے سلسلہ میں کچھ لوگوں نے تامل کیا ہے لیکن محمد حسین آزاد صاحب نے انہیں کے کلام سے استناد کرتے ہوئے انہیں سید تسلیم کیا ہے اور اس باب کو یہیں پر ختم کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں ''پھر بھی اتنا کہنا واجب سمجھتا ہوں کہ ان کی مسکینی، غربت، صبر و قناعت، تقوی، طہارت، محضر بن کے اداء شہادت کرتے ہیں کہ سیادت میں شبہ نہ کرنا چاہیے ورنہ زمانے کا کیا ہے کس کس کو کیا نہیں کہا ہے اگر وہ سید نہیں ہوتے تو خود کیوں کہتے۔

پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں
اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی

کچھ لوگ میر صاحب کے بارے میں قطعی نظریہ رکھتے ہیں کہ وہ پاگل پن کا شکار تھے اسی کے مقابل کچھ لوگ اسے میر کی حساس طبیعت سے جوڑ کر دیکھتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ جس ماحول میں میر نے زندگی گزاری ہے اس ماحول میں جو کوئی بھی ہوتا اس قدر مصائب کی تاب نہ لا کر اسی کیفیت کا شکار ہو جاتا جو میر پر طاری تھی مع ذالک کچھ ادیبوں کا خیال ہے کہ ''میر بے حد نازک طبع اور غیور تھے چنانچہ بد دماغ اور مردم بے زار مشہور ہو گئے اس دور کے انتشار اور بدنظمی نے میر کو متاثر کیا اور ایک دائمی غم ان کے دل پر محیط ہو گیا میر کی شاعری ان کی داخلی واردات اور اس پریشان حال دور کی سماجی صورت کا آئینہ ہے، وہ زمانے کو بچشم نم دیکھا کئے اور دل کی زبان سے حالات زمانہ رقم کرتے گئے''۔ میر کی جنونی کیفیت کے مختلف ابعاد پر طبی اور نفسیاتی نقطہ ہائے نظر سے انٹرنیٹ پر میر فن اور پاگل پن قابل دید ہے۔ اگر بد دماغی کو پاگل پن کے زمرے میں رکھا جائے تو محمد حسین آزاد صاحب کے مطابق یہ ماننا ہی پڑے گا کہ وہ پاگل پن کا شکار تھے ''اپنی بد دماغی کے سایہ میں دنیا و اہل دنیا سے بیزار گھر میں بیٹھے رہتے تھے اس کا اعتراف خود میر کو بھی تھا کہ زمانہ ان کو بد دماغ سمجھتا ہے

حالات کی ستم ظریفی:: میر کے دماغی خلل کو ان کے فنکارانہ شعور سے تعبیر کیا جائے یا اسے خاندانی پس منظر سے جوڑا جائے لیکن میر کے اوپر گزرنے والی کیفیات کے تعلق کو زمانے کی ستم ظریفیوں سے لاتعلق نہیں رکھا جا سکتا ہے۔ میر جیسے حساس طبیعت کے مالک انسان کے لئے اپنے ہوش و حواس کھو

بیٹھنے کے لئے کیا کم ہے کہ وہ اپنے باپ کے انتقال کے وقت اتنے مجبور تھے کہ انہیں سپرد خاک کرنے کے لئے ان کے پاس دفن کفن کا انتظام نہ تھا بقول علی سردار جعفری ''جب ان کے باپ کا انتقال ہوا تو وہ تین سو روپے کے مقروض تھے اور انہوں نے اپنے ترکہ میں چند سو کتابوں کے سوا کچھ نہیں چھوڑا ان کی کتابوں پر میر کے سوتیلے بھائی نے قبضہ کر لیا اور میر نے باپ کے ایک مرید کی بھیجی ہوئی پانسو روپئے کی ہنڈی لے کر قرض ادا کر کے لاش دفن کی۔

بعد از وفات والد:: میر کے اوپر ان کے والد کی وفات کے بعد کیا گزری اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے کیونکہ اس زمانے میں تفصیلی حالات کا جائزہ ذرا مشکل ہے گرچہ خود میر کے قلم سے بکھرے ہوئے درد میں ڈوبے حروف کافی حد تک اس کرب کے بیان گر ہیں جو میر پر بعد وفات طاری تھا ''درویش نے آنکھیں موندیں تو سارا عالم میری نظر میں تاریک ہو گیا بڑا حادثہ رونما ہوا آسمان مجھ پر آٹھ آٹھ آنسو روتا تھا صبر و شکیب جاتا رہا در و دیوار سے سر پھوڑتا تھا خاک پر لوٹتا تھا بڑا ہنگامہ بپا ہوا گویا قیامت نمودار ہو گئی میرے بڑے بھائی نے طوطا چشمی اختیار کر لی''

سوتیلے بھائی کا سلوک:: اپنے والد کی وفات کے بعد کچھ عرصہ میر دہلی جا کر اپنے سوتیلے ماموں سراج الدین علی خان آرزوؔ کے یہاں ٹھہرے لیکن حالات کچھ ہی دن سازگار رہے اور ان کے بھائی کے ماموں کے نام زہر بھرے خط نے ان کی زندگی میں زہر بھر دیا۔ میر لکھتے ہیں ''میرے بھائی کا خط ماموں کے نام پہونچا کہ میر محمد تفتیش روزگار ہے اس کی تربیت ہرگز نہیں کرنا چاہیئے۔ آرزو پکے دنیادار تھے اپنے بھانجے کی عداوت دیکھ کر میرا کا برا چاہنے لگے اگر سامنے پڑتا تو پھٹکارنے لگتے اور بچ بچ کر رہتا تو اول فول بکتے ہر وقت ان کی نگاہ میری نگرانی میں رہتی اور میرے ساتھ دشمنوں کا سا برتاؤ رکھتے میرا دکھا ہوا دل اور بھی زخمی ہو گیا اور میں پاگل ہو گیا۔

دلّی کی ویرانی:: جس قدر میر کے حالات کی ابتری نے انہیں رلایا اس قدر زمانہ نے بھی دل میر کی کیاری میں بے شمار زخموں کے پھول کھلائے میر کا اپنے والد کی وفات کے بعد جس قدر بے یاور و بے یار ہونا کرب ناک ہے اسی قدر دہلی کا تاراج ہونا بھی جس قدر میرؔ کو ان کی ذاتی محرومیوں نے رُلایا اتنا ہی دہلی کی ویرانی نے بھی خود لکھتے ہیں ''ہر قدم پہ رویا اور عبرت حاصل کی جب آگے بڑھا تو حیران ہوا مکان پہچان میں نہ آوے در و دیوار نظر نہ آئے عمارت کی بنیادیں نظر نہ آئیں رہنے والوں کی کوئی خبر نہ ملی'' دہلی پر تاخت و تاز کو عبرت کے طور پر پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

شہاں کے کجل جواہر تھی خاک پا جن کی آنکھوں میں
انہیں کی آنکھوں میں پھرتی سلائیاں دیکھیں

یہ شعر اس تاریخی پس منظر کا حامل ہے کہ جس میں جمیل جالبی کے بقول'' 1857ء میں صفدر جنگ کی حمایت سے مرہٹوں نے پھر دلی کو تاراج کیا اور عماد الملک نے احمد شاہ کو قید کر کے آنکھوں میں سلائیاں پھرا کر اندھا کر دیا۔

دلی جس کا ذکر بار بار ان کی (میر) شاعری میں آتا ہے صرف کسی شہر کا نام نہیں ہے بلکہ ایک عظیم مرتی ہوئی تہذیب کی رُوح کا اشارہ ہے'' دلی کی ویرانی نے میر کو اس قدر افسردہ کیا کہ جب ایک معاشرے میں عجیب و غریب حلیہ لئے پہونچے اور لوگوں نے وطن دریافت کیا تو جب شمع ان کے سامنے آئی تو فی البدیہہ فرمایا:

کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو!
ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے
دلی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب
رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے
اس کو فلک نے لوٹ کے ویران کر دیا
ہم رہنے والے ہیں اسی اُجڑے دیار کے

خصائل و فطرت:: جہاں میرؔ کی زندگی کا وہ حصہ اپنے اندر عبرتیں لئے ہوئے ہے جس کا تعلق حالات اور زمانے سے ہے وہیں خود میرؔ کے ذاتی خصائل اور ان کی فطری جبلّت بھی اہل ذوق کے مطالعہ کے لئے بے سود نہیں ہے۔

خودداری و قناعت:: میر کی شخصیت میں جو چیز ہر انسان کو ان کی شخصیت کا گرویدہ بنا دیتی ہے وہ ان کی خودداری اور قناعت پسندی ہے خودداری کا تو خیر ذکر ہی کیا لیکن قناعت کا عالم یہ ہے کہ بقول محمد حسین آزاد صاحب ''قناعت اور غیرت حد سے بڑھی ہوئی تھی اسی کا نتیجہ تھا کہ اطاعت تو درکنار نوکری کے نام کو بھی برداشت نہ رکھتے تھے نتیجہ یہ کہ فاقے کیا کرتے اور دُکھ بھرتے تھے۔ خوددار اس قدر تھے کہ اپنے عصری تقاضوں کے برخلاف کبھی انعام و اکرام کے لالچ میں کسی بڑے سے بڑے نواب یا بادشاہ کے لئے حرف بھی نہ کہے چاہے کوئی کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو کسی کو بھی خاطر میں نہ لاتے تھے اور اُمراء و اشراف کی خوشامد کو سخت ناپسند کرتے تھے قطعی طور پر ان کی مدح سرائی سے گریز کرتے تھے حتیٰ کہ ان کی جانب سے پیش کئے جانے

والے اعزازی اور تشویقی تحائف وانعامات سے بھی بیزار رہتے اور لاتعلقی کا اظہار کرتے ہوئے انہیں یہ کہہ کر واپس کر دیتے ''کہ وہ ہونگے بادشاہ اپنے دیار کے ہم اپنے من کے بادشاہ ہیں یہ ان کی عدم خوشامد اور شاہانِ وقت کی مدح سرائی سے گریز کا ہی خاصہ ہے اُمراء کی تعریف میں اکثر شعراء کا کلام مل جائے گا لیکن میر کہیں نظر نہیں آئیں گے چنانچہ محمد حسین آزاد اُمراء کی تعریف میں قصائد نہ کہنے کا سبب ان کے توکل اور ان کی قناعت پسندانہ زندگی کو قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں ''اُمراء کی تعریف نہ کرنے کا یہ بھی سبب تھا کہ توکل اور قناعت انہیں بندوں کی خوشامد کی اجازت نہ دیتے تھے''۔

مجھ کو دماغ وصف گل و یاسمن نہیں
میں جوں نسیم باد فروش چمن نہیں

ان کے لئے محمد حسین آزاد کی یہ تعبیر بہت مناسب معلوم ہوتی ہے ''یہ سمجھ لو کہ قسام ازل نے ان کے دسترخوان سے مدح وقدح کے پیالے اُٹھا کر سودا کے یہاں دھر دئے تھے۔ان کی یہ سوچ تھی کہ بادشاہ اپنے ملک کا حاکم ہے تو ہم اپنے ملک کے بادشاہ ہیں تو بھلا کیوں کسی کے سامنے ہاتھ پھیلائیں یا کیوں کسی کا عطیہ قبول کریں بلا وجہ کچھ لینے کو اپنے لئے عار سمجھتے تھے اور اپنی فقیری کو اپنا سرمایہ چنانچہ محمد حسین آزاد صاحب نے تحریر کیا ہے ''اکثر صاحبان عالیشان جب لکھنو جاتے تو میر صاحب کو ملاقات کے لئے بلاتے مگر یہ پہلو تہی کرتے اور کہتے مجھ سے جو کوئی ملتا ہے تو یا مجھ فقیر کے خاندان کے خیال سے یا میرے کلام کے سبب، صاحب لوگوں کو خاندان سے غرض نہیں میرا کلام سمجھتے نہیں البتہ کچھ انعام ضرور دیں گے ایسی ملاقات سے ذلّت کے سوا کیا حاصل''ان کی یہی سوچ تھی جس نے انہیں فقر کے بعد بھی بادشاہ بنائے رکھا کیونکہ وہ اپنے آپ کو کسی بادشاہ سے کم نہ سمجھتے تھے سو کسی کے سامنے دست دراز کرنا تو کجا دینے والے کے ساتھ وہ روّیہ اختیار کرتے کہ وہ بھی سوچنے پر مجبور ہو جائے کہ وہ کون سی دولت اس شخص کے پاس ہے جس پر تکیہ کرتے ہوئے ہمیں بھی خاطر میں نہیں لا رہا یہ سچ ہے میر اپنے من اور اپنے دل کے بادشاہ تھے تبھی تو بڑوں بڑوں کو خاطر میں نہیں لاتے چنانچہ''ایک دن نواب (سعادت علی خان) کی سواری جا رہی تھی یہ تحسین کی مسجد پر سرراہ بیٹھے تھے سواری سامنے آئی سب اُٹھ کھڑے ہوئے میر صاحب اسی طرح بیٹھے رہے سید انشاء خواص میں تھے نواب نے پوچھا انشاء یہ کون شخص ہے جس کی تمکنت نے اسے اُٹھنے بھی نہ دیا عرض کی جناب عالی یہ وہی گدائے متکبر ہے جس کا ذکر حضور میں اکثر آیا کرتا ہے (گزارے کا وہ عالم اور مزاج کا یہ عالم) سعادت علی خان نے آکر خلعت بحالی کی اور ایک ہزار روپیہ دعوت کا بھجوایا جب چوبدار لے کر گیا میر صاحب نے واپس کر دیا اور کہا مسجد میں بھجوایئے یہ گناہگار اتنا محتاج نہیں ہے۔سعادت علی خان جواب سن کر متعجب ہوئے مصاحبوں نے سمجھایا غرض نواب کے حکم سے سید انشاء خلعت لے کر گئے اور اپنی طرز پر سمجھایا کہ نہ اپنے حال پر بلکہ عیال پر رحم کیجئے اور بادشاہ وقت کا ہدیہ قبول فرمائیں میر صاحب نے کہا صاحب وہ اپنے ملک کے بادشاہ ہیں میں اپنے ملک کا بادشاہ ہوں۔ ***

بیباک انداز گفتگو اور ٹوک لہجہ:

میر لگی لپٹی کہنے کے عادی نہیں تھے وہ اور چار کے اصول پر عمل کرتے ہوئے جو بات ہوتی بغیر کمی وکسر کے سامنے اور بلا جھجک وتکلف کہہ ڈالتے تھے اور اس قدر برجستہ اور صریح انداز اپناتے کہ سامنے والا اگر غلطی پر ہے تو پانی پانی ہو جائے۔محمد حسین آزاد صاحب نے اس بے دھڑک اور برجستہ انداز گفتگو کے کچھ نمونے پیش کئے ہیں ملاحظہ ہوں؛ایک دن بازار میں چلے جاتے تھے نواب کی سواری سامنے آئی دیکھتے ہی نہایت محبت سے بولے میر صاحب آپ نے بالکل ہی ہمیں چھوڑ دیا ہے کبھی تشریف بھی نہیں لاتے میر صاحب نے کہا بازار میں باتیں کرنا ادب شرفاء نہیں ہے یہ کیا گفتگو کا موقع ہے۔لکھنؤ کے چند عمائدین و اراکین جمع ہو کر ایک دن آئے کہ میر سے ملاقات کریں اور اشعار سنیں میر صاحب تشریف لائے مزاج پرسی وغیرہ کے بعد انہوں نے فرمائش اشعار کی میر صاحب نے اول تو کچھ ٹالا پھر صاف جواب دیا کہ صاحب قبلہ میرے اشعار آپ کی سمجھ میں نہیں آنے کے اگرچہ ناگوار ہوا مگر بنظر آداب واخلاق ان لوگوں نے گراں خاطر ہو کر کہا کہ حضرت !انوری اور خاقانی کا کلام سمجھتے ہیں آپ کا ارشاد کیوں نہیں سمجھیں گے؟ میر نے کہا یہ درست ہے مگر ان کی شرحیں، مصطلاحات اور فرہنگیں موجود ہیں اور میرے کلام کے لئے فقط محاورہ اہل اردو ہے یا جامع مسجد کی سیڑھیاں اور اس سے آپ محروم ہیں یہ کہہ کر ایک شعر پڑھا:

عشق برے ہی خیال پڑا ہے چین گیا آرام گیا
دل کا جانا ٹھیر گیا ہے صبح گیا یا شام گیا

میر قمر الدین دلی میں ایک شاعر گزرے ہیں علوم رسمی کی قابلیت سے

عمائد دربارشاہی میں تھے وہ میرؔ صاحب کے زمانے میں مبتدی تھے شعر کا بہت شوق تھا اصلاح کے لئے اردو کی غزل لے گئے میر صاحب نے وطن پوچھا انہوں نے سونی پت علاقہ پانی پت بتلایا آپ نے فرمایا سید صاحب اردوئے معلیٰ خاص دلی کی زبان ہے آپ اسمیں تکلف نہ کیجئے اپنی فارسی وارسی میں کہہ لیا کیجئے ۔سعادت یار خان رنگیں نواب طہماسب بیگ خان قلعدار شاہی کے بیٹے تھے 14-15 برس کی عمر تھی شان وشوکت سے گئے اورغزل اصلاح کے لئے پیش کی سن کر کہا صاحب زادے آپ خود امیر ہیں اورامیر زادے ہیں نیزہ بازی، تیراندازی کثرت سے کیجئے شہ سواری کی مشق فرمایئے شاعری دل خراشی وجگر سوزی کا نام ہے آپ اسکے در پے نہ ہوں انہوں نے بہت اصرار کیا تو فرمایا کہ آپ کی طبیعت اس فن کے مناسب نہیں یہ آپ کو نہیں آنے کا، خوامخواہ میری اور اپنی اوقات ضائع کرنی کیا ضرورت ہے۔میر کی زندگی میں اس طرح کے ڈھیروں نمونے مل جائیں گے کہ جن سے میر کی حساس طبیعت کے ساتھ ساتھ ان کی ظرافت طبع لہجہ کی شفافیت، زبان کی شائستگی اور صداقت، اوران کی رُوحی بالیدگی کا پتہ چلتا ہے۔ میر کی زندگی میں بکھرے ہوئے درد اور جراحتوں کا اندازہ خود ان کے اشعار سے بھی کیا جا سکتا ہے ان کی گہری نظر اور آفاقی سوچ کا آج بھی کوئی ثانی نہیں اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ کربلا کے سجدہ آخر کو یوں تو بہت سے شعرا نے نظم کیا ہے لیکن میر تقی میر نے جو کچھ اپنے ایک شعر میں بیان کر دیا ہے وہی میر کی حساس طبیعت اور لہجہ کی انفرادیت کے لئے کافی ہے۔

زیر شمشیر ستم میر تڑپنا کیسا
سر بھی تسلیم محبت میں ہلایا نہ گیا

جب تک دنیا میں احساس باقی ہے میر کا نام اُفقِ ہستی پر اپنی روشنی بکھیرتا رہے گا۔یقیناً میر جیسا تڑپتا ہوا احساس ہی اتنے برجستہ انداز میں کہہ سکتا ہے۔

مرگ مجنوں سے عقل گم ہے مری
کیا دوانے نے موت پائی ہے

لحظے لمحوں میں لمحے سالوں میں سال صدیوں میں بدل جائیں گے لیکن میر کی درد میں ڈوبی آواز ہمیشہ سنائی دیتی رہے گی۔

جانے کا نہیں شور سخن کا مرے ہرگز
تا عمر جہاں میں مرا دیوان رہے گا

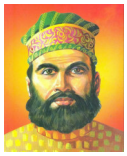

مرزا داغ دہلوی

پورا نام نواب مرزا خاں اور تخلص داغ تھا۔ 25 مئی 1831ء کو دہلی میں پیدا ہوئے ابھی چھ سال ہی کے تھے کہ ان کے والد نواب شمس الدین خاں کا انتقال ہوگیا۔ آپ کی والدہ نے بہادر شاہ ظفر کے بیٹے مرزا فخرو سے شادی کر لی۔ اس طرح داغ قلعہ معلیٰ میں باریاب ہوئے ان کی پرورش وہیں ہوئی۔ بہادر شاہ ظفر اور مرزا فخرو دونوں ذوق کے شاگرد تھے۔ لٰہذا داغ کو بھی ذوق سے فیض حاصل کرنے کا موقع ملا۔ داغ کی زبان بنانے اور سنوارنے میں ذوق کا یقیناً بہت بڑا حصہ ہے۔

غدر کے بعد رام پور پہنچے جہاں نواب کلب علی خان نے داغ کی قدردانی فرمائی اور باقاعدہ ملازمت دے کر اپنی مصاحبت میں رکھا۔ داغ چوبیس سال تک رام پور میں قیام پذیر رہے۔ اس عرصے میں انہوں نے بڑے آرام وسکون اور عیش وعشرت میں وقت گزارا یہیں انہیں ’’حجاب‘‘ سے محبت ہوئی اور اس کے عشق میں کلکتہ بھی گئے۔ مثنوی فریادِ عشق اس واقعہ عشق کی تفصیل ہے۔ نواب کلب علی خان کی وفات کے بعد حیدر آباد دکن کا رُخ کیا۔ نظام دکن کی استادی کا شرف حاصل ہوا۔ دبیر الدولہ۔ فصیح الملک، نواب ناظم جنگ بہادر کے خطاب ملے۔ 1905ء میں فالج کی وجہ سے حیدرآباد میں وفات پائی۔ داغ کو جتنے شاگرد میسر آئے اتنے کسی بھی شاعر کو نہ مل سکے۔ اس کے شاگردوں کا سلسلہ ہندوستان میں پھیلا ہوا تھا۔ اقبال، جگر مرادآبادی، سیماب اکبرآبادی اوراحسن مارہروی جیسے معروف شاعروں کو ان کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔

محمد ابراہیم ذوق

شیخ محمد ابراہیم ذوق (1854 1789) ایک اردو شاعر تھے۔ ذوق ان کا تخلص تھا۔

ابتدائی زندگی:: دبستان دہلی میں ذوق کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ محمد ابراہیم نام اور ذوق تخلص تھا۔ ایک غریب سپاہی محمد رمضان کے لڑکے تھے۔ 1789ء میں دلی میں پیدا ہوئے۔ پہلے حافظ غلام رسول کے مکتب میں تعلیم

پائی۔ حافظ صاحب کو شعر و شاعری کا شوق تھا۔ ذوق بھی شعر کہنے لگے۔ اس زمانے میں شاہ نصیر دہلوی کا طوطی بول رہا تھا۔ ذوق بھی ان کے شاگرد ہو گئے۔ دل لگا کر محنت کی اور ان کی شاعرانہ مقبولیت بڑھنے لگی۔ بہت جلد علمی و ادبی حلقوں میں ان کا وقار اتنا بلند ہو گیا کہ قلعہ معلیٰ تک رسائی ہو گئی۔ اور خود ولی عہد سلطنت بہادر شاہ ظفر ان کو اپنا کلام دکھانے لگے۔ شاہ اکبر ثانی نے ایک قصیدہ کے صلہ میں ملک الشعراء خاقانی ہند کا خطاب مرحمت فرمایا۔ شروع میں چار روپے ماہانہ پر ظفر کے استاد مقرر ہوئے۔ آخر میں یہ تنخواہ سو روپیہ تک پہنچ گئی۔ مسلسل عروسِ سخن کے گیسو سنوارنے کے بعد 16 نومبر 1854ء میں دنیائے ادب کا یہ مہرِ درخشاں ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ مرنے سے چند ساعت پہلے یہ شعر کہا تھا۔

کہتے آج ذوق جہاں سے گزر گیا
کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

ذوق کو عربی فارسی کے علاوہ متعدد علوم موسیقی، نجوم، طب، تعبیر خواب وغیرہ پر کافی دسترس حاصل تھی۔ طبیعت میں جدّت و ندرت تھی۔ تمام عمر شعر گوئی میں بسر کی۔

راجہ اسلم نارمہ کشمیر

تصویر گاتی رہی رات بھر
نغمے سناتی رہی رات بھر
وجدان سے میرے احساس تک
آواز آتی رہی رات بھر
خوابوں میں گھلتی رہی چاندنی
دل دکھاتی رہی رات بھر
دور تاریکیوں میں سمٹتی سی لو خود سے
دامن چھڑاتی رہی رات بھر
میرے احساس کی چاندنی آب پر
نقش اپنے بناتی رہی رات بھر
صبح آئی اندھیروں کے لشکر لئے
روشنی سرسراتی رہی رات بھر

کچھ اپنے بارے میں۔ یشپ تمنا لندن

مرسلہ عبدالحمید حمیدی کنیڈا

اپنا تعارف خود ہی کرانا بہت مشکل ہے اس لیے اپنے بارے میں صرف چند باتیں بتا پاؤں گا مکمل تعارف نہیں کرا سکوں گا۔ میری پیدائش لاہور کی ہے اور مصدقہ تاریخ پیدائش ۱۶ جون ۱۹۵۷ ہے۔ میرے پاپا شاعر تھے اور تمنا تخلص کرتے تھے ایک عرصے تک وہ ابوزر تمنا کے نام سے لاہور کی ادبی فضا میں پوری طرح متحرک تھے اور اس دور کے تمام بڑے شاعروں کے ساتھ انہوں نے مشاعرے پڑھے۔ سن چالیس اور پچاس دہایوں میں کمیونسٹ تحریک میں نہ صرف باقاعدہ شامل تھے بلکہ تحریک کے قائدین کے بہت قریب بھی تھے مگر بعد میں غمِ روزگار میں اُلجھ گئے۔ سن ساٹھ کی دہائی میں پاپا کی ملازمت کی وجہ سے ہم لاہور سے سندھ آ گئے اور لاڑکانہ ٹنڈو آدم وغیرہ سے ہوتے ہوئے سکھر میں قیام پزیر ہو گئے۔ میری تقریباً ساری تعلیم سکھر کی ہے۔ یہیں تعمیر نو ہائی سکول میں داخلہ ہوا۔ میں اسکول کا بہترین طالب علم تو نہ تھا لیکن میرا شمار سکول اور کالج کے بہترین طالب علموں میں ضرور ہوتا تھا۔ اسی سکول میں حافظ وحید اللہ خان صاحب اور پروفیسر عنایت علی خان صاحب جیسے ماہرین تعلیم اور دوسرے بہت سے اساتذہ سے واسطہ پڑا۔ سکول میں غیر نصابی سرگرمیوں کا بڑا چلن تھا۔ اس زمانے میں تقریری مقابلوں میں شرکت کی اور انعامات بھی حاصل کیے۔ سکول میں اسٹوڈنٹ یونین کے کے تین عہدوں کے لئے انتخاب لڑا اور دو میں منتخب ہو کر ایک مرتبہ جوائنٹ سیکریٹری اور ایک مرتبہ نائب صدر بنا۔

کئی سال تک سکھر میں مہران بزمِ طلبہ کا جنرل سیکریٹری رہا اور اسی طلبہ تنظیم کے تحت اپنے دوستوں نذیر متین ملک آفتاب محمود پاشی نجم الدین شیخ اور ڈاکٹر اسد صدیقی کی مدد سے طلبہ کے لئے کئی پروگرام کیے۔ اس زمانے میں لکھنا لکھانا شروع کیا۔ اس وقت میرے اکثر دوست عمر میں مجھ سے بڑے تھے۔ ابھی میں آٹھویں جماعت کا طالبِ علم تھا کہ میں نے کالج جانا شروع کر دیا۔ گویا صبح کو اپنے سکول جانا اور شام کو ان دوستوں کے ساتھ کالج ۱۹۷۴ء میں تعمیر نو ہائی سکول سے میٹرک فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا ۱۹۷۷ میں اسلامیہ کالج سکھر سے بی اے کا امتحان دیا اور جام شورو یونیورسٹی سے

ڈگری حاصل کی اور اسی سال پروبیشنری آفیسر کی حیثیت سے کراچی میں حبیب بنک سے منسلک ہو گیا۔سکھر کے بعد کراچی میں بھی ادبی سرگرمیاں جاری رہیں۔بنک کی ملازمت کے دوران ہی اردو کالج سے ایل ایل بی کا امتحان دیا۔سالِ اول بہت اچھے نمبروں سے پاس کرلیا۔دوسرے سال امتحان شروع ہوا۔تیسرے اور چوتھے دن امتحان میں طلبہ نے ہڑتال کردی اور پیپر نہ ہونے دیئے۔اسی دوران میں انگلستان آ گیا اور میرا ایل ایل بی نا مکمل رہ گیا۔اس زمانے کے دوستوں میں راشد نور اور لیاقت عاصم شامل ہیں ان کے علاوہ خالد عرفان اور دوسرے بہت سے دوست امریکہ اور کینیڈا چلے گئے۔جیسا کہ میں نے کہا ۱۹۸۲ء میں انگلستان آ گیا اور لندن میں الائیڈ بنک آف پاکستان سے بنک آفیسر کی حیثیت سے منسلک ہو گیا۔یہاں ہر قسم کی انٹرنیشنل بینکنگ کا تجربہ حاصل کیا۔اس کے ساتھ ساتھ لندن شہر میں اردو کے شاعر کی حیثیت سے اپنی شناخت بنائی اور یہاں کی ادبی سرگرمیوں میں شریک رہا خاص طور پر اردو مرکز لندن کے مختلف پروگراموں میں نہ صرف شرکت کی بلکہ متعدد بار وہاں اپنے مضامین بھی پڑھے۔

۱۹۸۸ میں ممتاز مفتی اردو مرکز کی دعوت پر لندن تشریف لائے تو جناب افتخار عارف کی تحریک پر چند دوستوں کی مدد سے لندن میں حلقہ ارباب ذوق کو متحرک کیا اور حلقے کے تحت کئی پروگرام کیے۔۱۹۸۹ میں مجھے بنک کی برمنگھم برانچ کا مینیجر بنا کر بھیجا گیا۔برمنگھم میں ادبی سلسلہ چلتا رہا۔اسی زمانے میں انجمن ترقیِ اردو کے ساتھ منسلک ہوا اور کئی سالوں تک انجمن کے جنرل سیکریٹری کی حیثیت سے نہ صرف بہت سے یادگار پروگرام کیے بلکہ برمنگھم میں یادگار وقت بھی گزارا۔۱۹۹۵ میں بنک نے مجھے اسسٹنٹ وائس پریزیڈنٹ کے عہدے پر ترقی دے کر لندن واپس بلالیا۔

۱۹۹۸ میں بنک سے الگ ہو کر میں نے فائنینشل سروسز کی فیلڈ میں آئی۔ایف اے۔کی حیثیت سے اپنا کاروبار شروع کیا۔اس کے ساتھ ساتھ ۲۰۰۴ میں لندن سے لینگویجز ڈپلومہ کیا اور اسی شعبے سے متعلق ایک اور کاروبار شروع کیا۔اس کاروبار کا تعلق لسانی ترجمانی سے ہے۔اس سلسلے میں لندن میں الجزیرہ ٹی وی، بی بی سی انگلش سروس کے ساتھ کام کیا اور ان کی بعض دستاویزی فلمز کے سلسلے میں بھی ان کے ساتھ کام کا موقع ملا۔آجکل یہ دونوں کاروبار ساتھ ساتھ ہو رہے ہیں۔

پاپا مرحوم کے شعری اور ادبی شوق اور ذوق کی وجہ سے کتابوں سے دوستی ہوئی۔ہمارے گھر پاپا کے بعد مجھ سے پہلے میرے بڑے بھائی آذر تمنا نے شاعری شروع کی۔مجھے ذاتی طور پر شعر پڑھنے اور لکھنے کے ساتھ ساتھ اچھی نثر پڑھنے کا شوق ہے۔جس میں افسانے اور ناول بھی شامل ہیں اس کے علاوہ سیاسی تجزیات بھی میرے مطالعہ کا مستقل حصہ ہیں اور ان موضوعات پر لکھنا بھی پسند ہے

۲۰۰۱ میں اردو تحریک کی جانب سے قتیل شفائی ایوارڈ سے نوازا گیا۔اس کتاب کی کئی نظمیں اور غزلیں پچھلے کئی سالوں اکادمی ادبیات پاکستان کے پاکستانی ادب کے سالانہ انتخاب میں شامل رہیں۔میری تین بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے۔بہت ہی اچھی سی بیگم کا نام روبی ہے اور پچھلے چھ سات سال کی تمام شاعری روبی کی رفاقت کی مرہونِ منت ہے۔

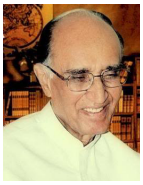

ایک جملے کے لطائف

مشتاق احمد یوسفی

ہر آدمی اتنا برا نہیں ہوتا جتنا اس کی بیوی اس کو سمجھتی ہے اور اتنا اچھا بھی نہیں ہوتا جتنا اس کی ماں اس کو سمجھتی ہے۔ہر عورت اتنی بری نہیں ہوتی جتنی پاسپورٹ اور شناختی کارڈ کی فوٹو میں نظر آتی ہے اور اتنی اچھی بھی نہیں ہوتی جتنی فیس بک اور واٹس اپ پر نظر آتی ہے۔آج کل صابن کیا شتہارت دیکھ کر سمجھ نہیں آتی کہ انہیں کھانا ہے یا ان سے نہانا ہے دودھ، بادام اور انڈے سے بنا بس ذرا سا (LUX) شوگر کی بیماری اتنی بڑھ گئی ہے کہ لوگ میٹھا کھانا پینا تو کیا میٹھا بولنا بھی چھوڑ گئے ہیں۔اکثر میاں بیوی ایک دوسرے سے سچا پیار کرتے ہیں اور سچ ہمیشہ کڑوا ہوتا ہے۔اگر سلاد کھانے سے وزن کم ہوتا تو ایک بھی بھینس موٹی نہ ہوتی۔بیشک دکھ، حالات اور بیوٹی پارلر انسان کو بدل کر رکھ دیتے ہیں۔کچھ خواتین کو کچھ یاد رہے نہ رہے یہ ضرور یاد رہتا ہے کہ ہماری ایک پلیٹ اس کے ہاں گئی تھی ایک پلیٹ اس کے یہاں گئی تھی ابھی تک واپس نہیں آئی۔شکر ہے شوہر عام طور پر خوبصورت ہوتے ہیں ورنہ سوچیں اس مہنگائی میں دو لوگوں کا بیوٹی پارلر کا خرچا کتنا بھاری پڑتا۔لوگ پتہ نہیں کیسے پرفیکٹ لائف گزار لیتے ہیں ہمارے تو ناشتے میں کبھی پراٹھا پہلے ختم ہو جاتا ہے اور کبھی انڈا۔ہم پاکستانی واحد قوم ہیں جو کہتے ہیں بھائی ایک ٹھنڈی Cold Drink تو دینا۔

مختصر افسانہ: مہمان نوازی

رئیس صدّیقی

بارات آ چکی تھی، نکاح ہو چکا تھا' اب ایک وسیع میدان میں کھانا کھلانے کی تیاریاں ہونے لگیں۔لوگ کرسیوں پر بیٹھ رہے تھے کہ سڑک پر ایک یکہ آ کر رُکا اور اس سے ایک بوڑھی سواری اُتری۔اس کے پاؤں میں پلاسٹک کی چپل تھی جس کے پٹے کئی جگہ سے موچی کی اعلیٰ کاری گری کا نمونہ ظاہر کر رہے تھے۔چپل کے ساتھ ساتھ پیر بھی گرد سے اٹے ہوئے تھے۔کمر پر پاجامہ لٹک رہا تھا مگر مَٹ میلے رنگ کا۔یہ اس کا اپنا رنگ نہیں تھا بلکہ وقت کی تمازت سے اس کی جلد کی طرح اُس کے پاجامہ کا رنگ بھی بدل گیا تھا۔بدن پر قمیص اور اس پر ایک سفید کھادی کی صدری تھی جو گرد کھاتے کھاتے سیاہ مائل ہوگئی تھی۔بال کچھ سفید، کچھ کالے مگر سوکھے، میلے اور آپس میں اُلجھے ہوئے تھے۔آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑے ہوئے تھے۔دیدے اندر کی طرف دھنسے ہوئے تھے لیکن چہرے کی ہڈیاں اُبھری ہوئی تھیں۔اُس کی نگاہیں کچھ تلاش کرتے ہوئے آگے بڑھیں۔اس نے ماحول کا بھرپور جائزہ لیا اور اس کے قدم دعوت گاہ کی طرف بڑھنے لگے۔لوگ اُس کو اپنی طرف آتا دیکھ کر اس طرح راستہ چھوڑنے لگے جیسے کوئی زہریلا سانپ اُن کو ڈسنے کے لئے ان کی طرف لپک رہا ہو۔مہمان کرسیوں پر بیٹھ چکے تھے۔صرف ایک کونے میں ایک کرسی خالی پڑی تھی، وہ بھی شائد اس لئے کہ اس کی چولیں ڈھیلی تھیں۔وہ مفلس مہمان اسی کرسی پر سنبھل کر بیٹھ گیا اور کھانا لگنے کا انتظار کرنے لگا۔اِسی اثناء میں ایک امیر نوجوان وارد ہوا۔اس کا قیمتی اور خوبصورت سوٹ اس کی کار کے رنگ سے میل کھا رہا تھا۔وہ بہت جلدی میں تھا۔وہ جلد سے جلد کھانا کھانے کی زحمت سے چھٹکارا پانا چاہ رہا تھا لیکن تمام کرسیاں پہلے سے ہی بھری ہوئی تھیں۔وہ وہاں کھڑے ہوئے ایک اسمارٹ سوٹ بوٹ والے لڑکے کے پاس گیا اور آہستہ سے کچھ کہا۔اِس پر اُس کی نگاہیں اِدھر اُدھر گھومنے لگیں اور اِس طرح اُس بوڑھے مہمان پر آ کر رُک گئیں جیسے وہ غیر قانونی طور پر سرحد پھاند کر اس کے ملک میں گھس آیا ہو۔

''ایں! یہ بڈھا کون ہے؟ یہ کہاں سے گھس آیا؟'' زیر لب بڑبڑاتے ہوئے وہ آگے بڑھا اور اس کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔

''ابے تو یہاں کیسے بیٹھ گیا۔چل باہر، ابھی کھانا بھجواتا ہوں۔نہ جانے کمبخت کہاں سے چلے آتے ہیں۔چل اُٹھ شرافت سے... اُٹھ جا، نہیں تو ابھی تیری کمر پر جوتے کی ٹھوکر مار کر اُٹھاؤں گا۔'' بڈھا حیرت سے اُس کا منہ تک رہا تھا۔اُس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ماجرا کیا ہے؟ ابھی وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ وہ نوجوان پھر اُس پر برس پڑا۔

ابے جائے گا یا نہیں؟ یا بتاؤں پھر؟ بے شرم کہیں کا! اوقات زمین کی، بیٹھا ہے کرسی پر۔چل باہر جا کر لائن میں لگ جا!''

اُس کی یہ بے عزتی دیکھ کر میرا دل بے چین ہو رہا تھا۔میں حیرت زدہ تھا کہ یہ کیسی مہمان نوازی ہے؟ یہ کیسا سلوک ہے! یہ سلوک تو کسی بھکاری کے ساتھ بھی نہیں ہونا چاہیے لیکن یہ تو بھکاری نہیں ہے۔قطعی نہیں۔اگر یہ بھکاری ہوتا تو اس کی اتنے بڑے بڑے لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے کی ہمت نہ ہوتی۔یہ تو مہمان لگتا ہے۔البتہ مفلس ہے۔اس کی رشتہ داروں نے شادی میں بلانے کو بلا تو لیا لیکن کسی نے بھی معمولی طور سے بھی اسکا خیر مقدم نہیں کیا۔ابھی میں اس کے بارے میں یہ سب سوچ ہی رہا تھا کہ میرے کانوں سے ایک آواز ٹکرائی۔''اے اللہ! اس پر ایک لمحہ کے لئے کچھ لوگوں کے کان کھڑے ہوئے، نظریں اُٹھیں اور دماغ نے سوال کیا کہ یہ کیا ہوا؟

مگر لمحہ گذرتے ہی، پھر سب اپنے اپنے کام میں لگ گئے۔کھانے میں، باتیں کرنے میں، استقبال کرنے میں، لیکن میرا دل نہ مانا۔میں باہر کی طرف لپکا۔وہاں جا کر کیا دیکھتا ہوں کہ سامنے سڑک پر وہ مفلس بوڑھا مہمان منہ کے بل گرا پڑا ہوا ہے اور اس کی ناک سے خون بہہ رہا ہے!!!

افتخار راغبؔ دوحہ قطر

جب بھی وہ ہم سے روٹھ جاتے ہیں
اپنے ہی پاؤں ہم دباتے ہیں
اب تو سردی گزر گئی ہے نا
اب تو ہر ہفتے ہم نہاتے ہیں
ہم کو شادی کا مت بتا مفہوم
سب یہ دھوکہ خوشی سے کھاتے ہیں
صاف کہہ دیں گے عقد سے پہلے
ہم فقط آملِٹ بناتے ہیں
شعر لکھتے ہیں ہونٹ پر شاعر
اور آنکھوں میں ڈوب جاتے ہیں
شعر ہوتے ہیں تین چار ہی اور
تیس مطلع بھی وہ سناتے ہیں
لگ گئی پھینکنے کی بیماری
کام کرنے سے جی چراتے ہیں
طنز کرنے کا حق اُنہی کو ہے
خود پہ جو قہقہہ لگاتے ہیں
جی پی ایس کا یہ فیض ہے راغبؔ
راستہ روز بھول جاتے ہیں

نامساعد حالات کی شاعرہ مینا نقوی

جبیں نازاں لکشمی نگر نئی دہلی

12 نومبر 2020ء مینا نقوی صاحبہ سے واٹس ایپ پر گفتگو ہوئی تھی یہ احساس میرے ذہن و دماغ میں جاگزیں تھا کہ یہ ہمارے درمیاں چند دنوں کی مہمان ہیں چونکہ لنگس موذی مرض کینسر سے متاثر ہو چکا تھا...ان کے شب و روز مصنوعی آکسیجن پر گزر رہے تھے! لیکن جب 15 نومبر کی شام انتقال کی خبر مجھے ملی تو دھچکہ لگا کیونکہ مجھے یہ گمان نہیں تھا کہ تین بعد وہ رخت سفر باندھ لیں گی!

مینا نقوی صاحبہ سید التجا حسین کے گھر نگینہ ضلع بجنور اتر پردیش میں پیدا ہوئیں ۔ یہ 10 بھائی بہنوں میں تیسری اولاد تھیں ۔ میٹرک سے انٹر تک تعلیم آبائی شہر میں ہوئی، سترہ سال کی عمر میں شادی ہوگئی شادی کے بعد تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو گیا منیر از ہرہ کو تعلیم سے بے پناہ لگاؤ تھا، سسرال روایتی گھرانا تھا ازسرنو تعلیم کی شروعات جوئے شیر لانے کے مترادف لیکن لگن کی سچی منیرا زہرہ نے 'کوہکنی' کا فیصلہ کیا ایم اے ہندی اور انگریزی زبان میں کیا بی اے سنسکرت میں پھر ایم سی ڈاکٹری کی ڈگری حاصل کی ۔ 29 سال کی عمر میں شوہر دو بچے کا تحفہ دے کر داغ مفارقت دے گئے یعنی کہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے ۔ منیر زہرا اپنی ذات اپنا غم بھول گئیں دو بچوں کی خاطر غم دوراں کو بخوشی گلے لگایا کیونکہ زیست کرنے کو ہنر چاہئے، حالات نے منیرا کو یہ ہنر بھی سیکھا دیا، انھوں نے جینے کا سوانگ رچا اور منیر از ہرا مینا نقوی بن گئیں اپنے کلینک کو نرسنگ ہوم میں تبدیل کیا بقول مینا نقوی یعنی کہ دل داری قلم داری، دنیاداری اور نہ جانے کتنی داریوں سے گزرتے ہوئے اس مقام تک پہنچیں''

واقعی ڈاکٹر مینا نقوی عصری شعری دنیا کا ایک تابناک نام ہے ۔ رسائل وجرائد کے حوالے سے ان کا تخلیقی کام ہمیشہ مستحسن نظروں سے دیکھا جاتا ہے ۔ گاہے گاہے مشاعروں میں بھی شرکت کرتی رہی ہیں ۔ اُردو اور ہندی میں ان کے شعری مجموعے شائع ہو کر ادبی حلقوں میں خاصے مقبول ہوئے ہیں ۔ ان کی کتابوں پر انعامات بھی مل چکے ہیں ۔ غرض کی جتنی کتابیں اتنے ہی اعزازات وانعامات سے نوازی جا چکی ہیں ۔ جن میں غالب انسٹی ٹیوٹ کا دی بیسٹ شاعرہ 2018ء ایوارڈ زیادہ اہمیت کا حامل ہے ۔ بہار اردو اکادمی کا رمز عظیم آبادی ایوارڈ، جمیل مظہری ایوارڈ زفیض احمد فیض ایوارڈ ایوارڈ، پریرنا منچ ایوارڈ، سرسوتی پریوار ایوارڈ، صنم محفل سے بیسٹ شاعرہ ایوارڈ سمیت متعدد ایوارڈز انھیں ملے ڈاکٹر مینا نقوی کے ذاتی تجربات اور مشاہدات کے ساتھ مُطالعہ کی وسعت نے ان کے شعری فن کو شہرت بخشی ۔ ڈاکٹر مینا نے نثر میں بھی طبع آزمائی کی افسانے بھی لکھے، 60 سے زاہد کتابوں پر تبصرے پیش لفظ وغیرہ لکھے اور ادبی مقالے بھی ۔ یہ نثری خدمات شعری عمل سے کسی طور کم نہیں لیکن بحیثیت شاعرہ ان کی شہرت کے بام پر پہنچ چکی ہے ۔ اسی حوالے سے ان کی شناخت بھی ہے ۔ میں ان کے شعری فن کی دلدادہ ہوں اور انھیں بچپن سے پڑھتی آرہی ہوں ۔ یہ اپنے فن کو جاوداں بنانے کے لیے کوشاں نظر آتی ہیں ۔ ان کا ایک شعر ہے جو ان کے اس جذبے کا ترجمان ہے دیکھیں!

آئے گی تیرگی میں کرن آفتاب کی
سجدے میں رب سے ہوئی گفتگو ابھی
کبھی ہمسری فلک کی کبھی قربتیں زمین سے
مرا دل ہی جانتا ہے مری خواہشات ہیں کیا

مینا کے چند اشعار اردو کے قارئین کافی پسند کرتے ہیں جو کافی مقبول ہو چکے ہیں اور کچھ غزلیں تو ایسی ہیں جنھیں سامعین فرمائش کر کے سُنتے اور داد دیتے ہوئے نہیں تھکتے! مُجھے بھی ان کے بہت سارے اشعار اور غزلیں پسند ہیں ۔ چند اشعار مُلاحظہ فرمائیں ۔

ٹوٹ سکتے ہیں دل ہر گھڑی تکرار سے
بات جو ملنے میں ہے وہ بات ان بن میں نہیں
رُت جو بدلی چار سو منظر نشیلے ہو گئے
پیڑ کی شاخوں پہ سارے پھل رسیلے ہو گئے

مُترنّم بحروں میں احتیاط اور شوق سے غزل کہنے والی مینا کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں ۔

منظر میرے خیال کے بکھرے حرف حرف
اوراق زندگی کے بھی سارے مڑے ملے
ابھی ہواؤں نے دستک مہک کی دی ہی نہیں
حقیقتوں سے بہت دور خواب موسم ہے
جانے کیا بات ناگوار ہوگئی
اب وہ ناراض بھی نہیں ہوتا
وہ سونپ جاتا ہے تنہائیاں مُجھے اکثر

مری انا کے تحفّظ کا کچھ خیال بھی ہے
ہے دورِخزاں پھر بھی شاداب ہیں ہم
بہاروں کے آنے کے اسباب ہیں ہم
پھر اس کی یاد کی دستک ہوئی درِ دل پر
پھر آسمان زمیں پر اُترنے والا ہے
جتنے نادان تھے ملتے تھے اخلاق کے ساتھ
جتنے دانا تھے وہ سایہ رنجش میں رہے
یہ رنگوں کی دھنک اوڑھے ہوئے ہے
الگ کچھ بات ہے ہندوستاں کی
اختلافات کے کانٹے نہ مراسم میں اُگیں
چاہتی ہوں کوئی حل اس کا سجھائی دے جائے
اک مہک دامن میں آکر چھپ گئی
دل کا موسم بھی سہانا ہوگیا

ان اشعار کے تاثرات قاری کے ذہن میں محفوظ ہوجاتے ہیں کیونکہ ان میں سبک روہوا کا لمس بھی ہے اور جذبات کی حدّت بھی اور بیان کی جدت بھی اس نوعیت کے اور بھی اشعار ہیں۔ ڈاکٹر مینا نے اپنے کمالِ فن سے نہ صرف اپنے قارئین اور سامعین کو متاثر کیا ہے بلکہ اپنے بزرگوں سے بھی دعائیہ داد لی ہے۔ایک اقتباس مُلاحظہ فرمائیں۔

''مجھ سے ایک عرصے سے ان کا ادبی رشتہ ہے اور مُجھے یہ فخر ہے کہ وہ ایک قابلِ قدر شاگردہ، شاعرہ اور ادیبہ ہیں۔ ڈاکٹر مینا نقوی میں شاعری ودیعت ہے۔ نئے اسلوب اور فنّی حوالے سے وہ ایک مُنفرد مقام رکھتی ہیں۔ وہ بنیادی طور پر غزل کی شاعرہ ہیں لیکن نظم پر بھی طبع آزمائی کی ہے اور خوب کی ہے'' یہ ہیں ان کے استادِ محترم کے خیالات

زمانے کی بدلتے ہوئے اقدار سماجی و سیاسی تبدیلیوں کو وہ محسوس کرتی ہیں اور شعر کے سانچے میں اپنے احساس کو شعری پیکر میں ڈھال دیتی ہیں اور قارئین و سامعین کو محسوس کرنے کی دعوت دیتی ہیں۔ڈاکٹر مینا زندگی کے کسی ایک رُخ کی شاعرہ نہیں ہیں۔ڈاکٹر مینا کی شاعری انسانیت شناسی اور محبتوں کی شاعری ہے۔بقول عذرا نقوی

''ان کی شاعری میں درد کی کرچیاں تو ہیں لیکن ریزہ ریزہ ہوتی ہوئی عورت نہیں ہے یہ شاعرہ شکستہ دل تو ہے شکست خوردہ نہیں!'' عذرا نقوی نے ڈاکٹر مینا کی شاعری کے جس وصف کی نشاندہی کی ہے یہ وصف شاعرہ کو ان کی ہم عصر خاتون شعرا میں ممتاز اور مُنفرد مقام عطا کرتا ہے۔

انھوں نے گفتگو کے دوران مجھ سے کہا تھا" فی الوقت میری تین کتابیں اشاعت کی منتظر ہیں۔اب تک مینا کی گیارہ کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں پہلا شعری مجموعہ سائبان دوسرا بادبان تیسرا ''درد پت جھڑ کا'' (ہندی) کرچیاں درد کی (ہندی، اردو) جاگتی آنکھیں، دھوپ چھاؤں (ہندی) منزل، آئینہ، رنگ زندگی کے، کہکشاں، اس کے علاوہ کویتائیں، غزلیں، تراجم وغیرہ ملک و بیرون ممالک کے اخبارات و رسائل میں بکھرے پڑے ہیں۔ امید کرتی ہوں ان کے لائق فائق فرزند ماں کے ادھورے کام کو تکمیل کے مراحل سے گزاریں گے! آخر میں مینا کے چند اشعار پر اپنا مضمون ختم کرنا چاہتی ہوں۔

رہگزاروں پہ مت سجا مجھ کو
منزلوں کا پتہ بتا مجھ کو
نقش مرے ابھرنے نہیں پائے
کوزہ گر توڑ کر بنا مجھ کو
نیند کی وادیوں میں رہنے دے
میرے خوابوں سے مت جگا مجھ کو
دھڑکنوں میں تھا انتشار بہت
کون دیتا رہا صدا مجھ کو

امجد مرزا امجدؔ

سروں پر ظلم کے امبر رہے ہیں
ستم کی چوٹیاں سر کر رہے ہیں
یہی تاریخ ہے اپنے وطن کی
لبادوں میں چُھپے خنجر رہے ہیں
عدو کو کیا پچھاڑیں گے یہ ناداں
جو آپس میں جھگڑ کر مر رہے ہیں
حضور! اتنا بھی کیا ترکِ تعلّق؟
کبھی ہم آپ کے دِلبر رہے ہیں
ندامت بھی ہے امجدؔ اُن پہ نادِم
جو رہبر، اقربا پرور رہے ہیں

شاعرۂ لندن
ڈاکٹر فرزانہ فرحتؔ

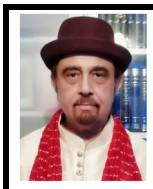

ڈاکٹر منور احمد کنڈے، ٹیلفورڈ لندن

یورپ کے آسمانِ ادب پر جن طائرانِ سخن کی پرواز بلند سے بلند تر ہوتی رہی ان میں ڈاکٹر فرزانہ فرحتؔ صاحبہ کا نام بامِ عروج پر دکھائی دیتا ہے۔ برِصغیر ہندوپاک سے باہر اردو کی جو بستیاں آباد ہوئیں ان میں بلاشک شہرِ لندن سرِفہرست ہے، اور کون نہیں جانتا کہ لندن کے سخنور اور تخلیق کاروں میں فرزانہ فرحت صاحبہ بہ شان و شوکت صفِ اوّل میں موجود رہی ہیں۔

آپ پاکستان سے اردو ماسٹرز ڈگری ہولڈر ہیں اور حال ہی میں ان کو ایک کینیڈین انڈی پنڈنٹ تنظیم کی جانب سے ادبی خدمات کے پیشِ نظر ایک اعزازی ڈاکٹورل سند بھی تفویض کی گئی ہے جو اب ان کی سی وی (CV) میں شامل ہو چکی ہے۔

آپ کی غزل فنی اور عصری تقاضوں سے آراستہ شعور کی بلوغیّت سے بھرپور مملکتِ شعر میں اپنے قدم جمائے ہوئے ہے۔ یعنی آپ قلم کی اہمیت اور مرتبے سے بخوبی واقف ہیں۔

غزل کے ساتھ ساتھ حیات اور عوام کے موضوعات پر پابند منظومات آپ کے ''کلیات'' اور اس کے بعد ''فصلِ آرزو'' فکر و احساس کی تازگی و اسلوبِ نو کی بدولت یقیناً قابلِ تحسین و داد ہیں۔ قارئین کی محظوظیت کے لئے آپ کا کلام خزینۂ ادب کی حیثیت رکھتا ہے۔

شاندار تخلیقات پر میں آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں، اور آخر میں ایک نظم محترمہ ڈاکٹر فرزانہ فرحت کی خدمت میں بطورِ ہدیہء عقیدت پیش کرتا ہوں، گر قبول افتد:

ہے ''فصلِ آرزو'' میں چھپا نامۂ حیات
رنگ و سرور و کیف میں ہے الفتوں کی بات
''فرحتؔ'' سخن کی راہ میں ہیں نامور ہوئیں
اپنے یہ اعزازات سے بھی معتبر ہوئیں
تخلیق کی تلاش میں ہمت نئی ملی
جن سے ہے ''کلیات'' کو بھی زندگی ملی
کس طرح کوئی شعر کی تخلیق یوں کرے
اشعار کی ہے روشنی جب چاند سے پرے
راہِ سخن کی مشکلیں آسان ہو گئیں
یعنی ادب کے دور کا سامان ہو گئیں
حمدِ خدا کے ساتھ ہے ذکرِ رسولؐ بھی
ان کو تو ذوالجلال ہے کرتا قبول ہی
''فرحتؔ'' جہانِ قلب میں ہیں قافلہ سالار
''غالبؔ'' کی رمزِ شعر کی ہیں یہ بھی رازدار
اردو کی بستیوں کو ہے پُر نور کر دیا
اور موتیوں سے دامنِ امید بھر دیا
اردو کی ہیر جیسا ہے حاصل انہیں شعور
آتش کے ساگروں کو بھی کر لیں گی یہ عبور
یا ربّ یہ آرزوؤں کی کھیتی ہری رہے
یہ شانِ بے مثال منوّرؔ بنی رہے

(نتیجۂ فکر: ڈاکٹر منورؔ احمد کنڈے، ٹیلفورڈ، انگلینڈ)

شرم نہ آیا امجد مرزا امجدؔ

اج دنیا شور مچایا اے
اساں اپنا منہ چھپایا اے
بھکھ غریبی ذلت دا
وستی تے بدل چھایا اے
اُجڑے لوکاں دے ناں تے
تُسی چوکھا مال کمایا اے
لوکاں دی لاشاں اُتے
ہور اُچا محل چڑھایا اے
کھکھری دی راکھی گدڑ نوں
اساں کنی وار بٹھایا اے
اِکو کھڈ توں کئی واریں
اساں سپاں توں ڈنگوایا اے
نہ سانوں عقل آئی اے
نہ اوہناں شرم آیا اے

والتھم فاریسٹ پاکستانی کمیونٹی فورم کا عظیم الشان مشاعرہ

کرونا کی وجہ سے چار ماہ کے بعد ماہانہ ادبی نشست کا آغاز

رپورٹ: ڈاکٹر منور احمد کنڈے انگلینڈ: دسمبر 2021 کے بعد کرونا کی وجہ سے چار ماہ کے بعد 8 مئی 2022 بروز اتوار ایک بجے سے 4 بجے تک لی برتج روڈ لائبریری لیٹن میں مشاعرے کی ابتدا کی گئی جس میں شعرا شاعرات اور ادب سے محبت رکھنے والوں کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ نظامت کے فرائض حسب معمول امجد مرزا نے ادا کئے۔ اسٹیج پر تنظیم کے صدر جناب ڈاکٹر رشید اختر، آج کی ادبی محفل کی صدارت کے لئے معروف شاعر ادیب محترم سلطان صابری، مہمان خصوصی معروف بزرگ شاعر محمود علی محمود اور مہمان اعزازی والتھم فاریسٹ کے سابقہ میئر معروف سماجی شخصیت جناب مسعود احمد کو دعوت دی گئی۔ حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب نے تلاوت قرآن پاک سے اس محفل کی ابتدا کی جس کے بعد آپ نے اپنی والدہ اور امجد مرزا کی اہلیہ کی وفات پر دعائے مغفرت کی۔ نعت رسول مقبولؐ کے پھول شیخ محمد یوسف نے پیش کئے جن کے بعد باقاعدہ مشاعرے کی ابتدا امجد مرزا نے اپنی ایک پنجابی غزل اور ایک اردو کی غزل کو ترنم سے سنا کر کی۔ جن کے بعد محمد جہانگیر، اقبال گل، صوفی لیاقت، ضیاء حسن، شیخ محمد یوسف، پروفیسر عبدالقدیر، شہناز رضوان، سہیل ضرار خلش، ارشاد احمد خان، سیمی برلاس، راجہ محمد الیاس، محمود علی محمود اور صدر محفل سلطان صابری صاحب نے اپنا اپنا کلام پیش کیا۔ اس دوران مہمان اعزازی جناب مسعود احمد نے موجودہ حالات پر اپنے خیالات کا اظہار کیا اور آج کی اس ادبی محفل کو سراہا اور امجد مرزا کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے والتھم فاریسٹ میں سابقہ چودہ برسوں سے ہر ماہ کی پہلی اتوار کو ایک خوبصورت ادبی محفل کے اہتمام کو جاری وساری رکھا ہوا ہے۔ آخر میں تنظیم کے صدر جناب ڈاکٹر رشید اختر صاحب نے تمام مہمانوں کی آمد اور شرکت کا شکریہ ادا کیا اور اگلے ماہ جون کی پہلی اتوار 5 تاریخ کو اسی جگہ ملنے اور خوبصورت مشاعرے کو کامیاب بنانے کا اعلان کیا۔ حسب معمول پروگرام کی ابتدا ہی میں تمام مہمانوں کی خاطر تواضع گرم گرم چائے کیک اور مزیدار بسکٹوں سے کی جاتی ہے جو پروگرام کے اختتام تک جاری رہتی ہے۔ اگلے ماہ انشاء اللہ معروف صحافی شاعرہ کالم نگار محترمہ سیدہ کوثر منور صاحبہ کے پہلے شعری مجموعہ کی تقریب رونمائی ہوگی جس کے بعد مشاعرہ بھی ہوگا۔ دعوت عام ہے ضرور تشریف لائیں۔

یادِ ماضی (افسانہ)

امجد مرزا امجدؔ

(میری کتاب ''یادِ ماضی'' سے)

میری ماں بچپن میں مرگئی تھی وہ میرے باپ کی درندگی برداشت نہ کرسکی۔روز کی مار پیٹ سے اس کی پسلیاں ٹوٹ گئی تھیں جن کی وجہ سے وہ تڑپ تڑپ کر اس ظالم سے خود تو چھٹکارا پا گئی مگر مجھے آٹھ سال کی معصوم عمر میں تنہا لاوارث چھوڑ گئی۔ چند مہینوں کے بعد میرے باپ نے دوسری شادی کرلی مگر میری بدقسمتی نے میرا پیچھا نہ چھوڑا اس عورت کو بھی مجھ پر کبھی رحم نہ آیا اس نے روز اول سے ہی مجھ پر سوتیلی ماں بن کر ظلم کا ایسا سلسلہ شروع کیا جو کئی برسوں تک جاری رہا جب تک کہ میرے باپ نے میری شادی انگلینڈ سے گئے ہوئے مجھ سے بارہ سال بڑے اس آدمی سے نہ کردی جس نے شادی کے بعد مجھے اس قدر پیار اور توجہ دی کہ میں نے سمجھا اللہ نے میرے صبر کا پھل دے دیا۔وہ ایک مہینہ میرے پاس رہا پھر مجھے اس جہنم سے نکال کر اپنی بہن کے گھر چھوڑ کر یہ وعدہ کر کے چلا گیا کہ جاتے ہی مجھے اپنے پاس بلا لے گا۔ایک سال تک میں اپنی نند کے گھر رہی جس نے مجھے بے حد پیار دیا۔میرے بچپن کے لگے گھاؤ مندمل ہونے لگے اور میں اچھے مستقبل کے خواب دیکھنے لگی۔مگر کہتے ہیں کہ انسان سوچ کچھ رہا ہوتا ہے اور قسمت کی دیوی اس کے سرہانے کھڑی مسکرا رہی ہوتی ہے کہ میں نے تو تیرے لئے کچھ اور سوچ رکھا ہے۔

پھر ایک دن قسمت کی گاڑی مجھے ایسے دیس میں لے آئی جہاں کی زبان تک سے میں نابلد تھی۔اجنبیت کے اس جنگل میں جو امیدیں لے کر آئی تھی کہ شاید میں بھی ایک بیوی ایک ماں بن کر بہتر زندگی گزاروں گی وہ سب خواب بن کر اُڑ گئے، جہاز کے طویل سفر کی تھکان بھی نہیں اتری تھی کہ گھر آتے ہی کپڑے بدلنے کا حکم ملا اور رات کے کھانے کے لئے کچن میں بھیج دیا گیا۔سوچتی ہوں کیا وہ ایک مہینہ محض اداکاری تھی جو میرے خاوند نے پاکستان میں میرے ساتھ محبت جتا کر اور سبز باغ دکھا کر کی وہ اگر نہ بھی کرتا تو بھی میں نے اس کے ہر حکم کی تعمیل کرنا تھی کیونکہ میری پرورش ہی ایک غلامانہ ماحول میں ہوئی تھی جہاں حکم نہ ماننے پر بری طرح زدوکوب کیا جاتا اور کئی کئی دن بھوکے پیاسے کمرے میں بند رکھا جاتا تھا۔ یہ ایک لمبی داستان ہے کہ میں نے انگلینڈ آکر سات طویل برسوں کی قید بامشقت کس طرح گزاری کیسے کیسے ہتک آمیز سلوک برداشت کئے۔گھر کے ہر ایک فرد سے مار کھائی چھوٹے سے لے کر بڑے تک نے مجھے لونڈی سمجھ کر سلوک کیا۔کہتے ہوئے شرم آتی ہے، خاوند ایک ٹیکسی ڈرائیور تھا جس کی ذہنیت بھی اپنے اس کام کی سطح تک ہی تھی مگر اس کے دونوں بھائی جو پڑھے لکھے اور اچھی نوکریوں پر فائز تھے ان کی ذہنیت اور کردار بھی اتنا بھیانک اور پست تھا کہ کئی بار بھائی کی غیر موجودگی میں وہ اپنے بھائی کا حق لینے مجھ سے زبردستی کرتے اور اپنا منہ کالا کر کے مجھے جان سے مارنے کی دھمکی دیتے اگر میں نے ان کے خلاف منہ کھولا۔زندگی کے وہ سات برس جو میں ایک آزاد معاشرے کے ملک میں جہاں کہتے ہیں بلی کتے کو بھی انصاف ملتا ہے مگر مجھے کہیں سے کسی انصاف کی کوئی کرن دکھائی نہ دیتی میرے گرد پابندیوں کی اتنی اونچی دیواریں استوار کردی گئی تھیں کہ میں لاغر سی عورت انہیں عبور کرنے سے قاصر تھی۔ مجھے کسی سے ملنے کی اجازت نہ تھی۔صرف بیٹی کی ولادت پر باہر کا آسمان دیکھنے کو ملا جب مجھے ہسپتال لے جایا گیا۔ میری بیماری پر بھی میری ساس اپنے کسی پاکستانی ڈاکٹر سے نجانے کیا جھوٹ بول کر دوائی لے آتی۔اللہ جانے وہ کس قسم کے لوگ تھے جو انسانی کھال میں کسی خونخوار جانور سے بھی بدتر تھے۔اور میں ...میری حس میرا ذہن میری انا میری خودداری میرے اندر کی عورت بلکہ یوں کہوں کہ میرے اندر کا انسان تک مرگیا تھا میں ایک زندہ لاش تھی یا ایک مشینی روبوٹ تھی جس میں پروگرام فیڈ کر کے وہ لوگ دن رات اپنی خدمت لئے جاتے تھے اور ظلم کرتے۔

پھر میری بیٹی چھ سال کی ہوئی تو اسے اپنی ماں کی حالت اس کے ساتھ ظالمانہ رویہ اور برتاؤ سمجھنے کا شعور آیا تو اس نے اپنی انگریز استانی کو بتایا کہ میری ماں کو گھر کے سب لوگ بات بات پر مارتے ہیں گھر سے باہر نکلنے نہیں دیتے وہ بیمار اور ہر وقت روتی رہتی ہے۔ ایک دن دوپہر کو پولیس نے سوشل ورکر کے ساتھ چھاپہ مارا۔ایک رات پہلے مجھے خاوند نے معمولی سی بات پر سب کے سامنے بری طرح پیٹا تھا اور میرے پیٹ اور کمر پر نیلے داغ اس بات کی گواہی تھے، میری ایک پسلی ٹوٹی ہوئی تھی جس کی وجہ سے مجھے مدت سے درد تھا۔میری بیٹی میرے لئے میرا مسیحا ثابت ہوئی اس نے انگریزی

میں میرے ساتھ ہونے والے طویل ظلم کی داستان سنائی ۔ پولیس اسٹیشن پر جب ایک انڈین مترجم نے انہیں سات برس کی اس قید کی تمام کہانی سنائی جو میں نے ان کے آزاد ملک میں بغیر کسی جرم کے کاٹی تھی۔تو پولیس لیڈی اور سوشل ورکر کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔

مجھے کچھ ہفتے ایک ہوسٹل میں رکھا گیا اور پھر ایک بیڈروم کا فلیٹ دے دیا گیا۔مگر میری قسمت میں ابھی مزید ظلم سہنا لکھا تھا۔ چند ہفتوں بعد میرا خاوند جس پر گھریلو تشدد کا کیس چل رہا تھا ایک رات میرے فلیٹ پر آ گیا۔ میری بیٹی نے انجانے میں دروازہ کھول دیا۔وہ طوفان کی طرح آیا اور مجھے بالوں سے پکڑ کر فلیٹ کے عقب میں لے گیا مگر چند منٹ بعد ہی میں اس کی مار اور دہشت وخوف سے بیہوش ہوگئی۔ مجھے خبر نہیں اس نے مجھے کس قدر بری طرح پیٹا کہ میں تین ماہ ہسپتال میں رہی میری تین پسلیاں ٹوٹی ہوئی تھیں میرے گردوں سے خون رستا تھا اور میری شکل مجھ سے بھی پہچانی نہ گئی۔ میری بیٹی کی چیخ وپکار پر کسی پڑوسی گورے نے پولیس کو فون کیا مگر میرا خاوند وہاں سے بھاگ گیا جسے دو ہفتے بعد اسکاٹ لینڈ سے گرفتار کیا گیا اور ارادہ قتل کے مقدمے میں اسے پانچ سال کی قید سنائی گئی۔

مجھے اور میری بیٹی کو نیا نام نئی شناخت دے کر اس شہر سے تین سو میل دور ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہائش دی گئی تا کہ وہ ظالم قید سے چھوٹ کر پھر انتقام نہ لینے آئے۔

گو آج میری بیٹی پڑھ لکھ کر ایک مقامی بینک میں آفیسر ہے، اس کی شادی ایک ترکی کے مسلمان لڑکے سے ہوئی ہے۔ جو اسی کے بینک میں اچھے عہدے پر فائز ہے وہ ایک پڑھی لکھی باوقار اچھے عہدے پر فائز پر اعتماد لڑکی ہے میری طرح بے بس انپڑھ عورت نہیں جو ہر بے انصافی اور ظلم چپ چاپ سہہ لے گی...مگر میں آج بھی سوتے میں چیخ کر جاگ پڑتی ہوں اور لگتا ہے کہ وہ ظالم مجھے اور میری بیٹی کو مارنے آن پہنچا ہے۔شاید وہ ہمیں کبھی نہ ڈھونڈ سکے مگر میرا ماضی میرے ذہن میں اس قدر پیوستہ ہو چکا ہے کہ میں اسے بھول نہیں پا رہی۔۔۔یہ یادِ ماضی جو دکھ اور کرب بن کر زندگی بھر کے لئے میرے ساتھ جی رہا ہے شاید موت تک اس کا بھیانک سایہ میرے ساتھ ہی رہے گا۔۔۔!!!اور میں کبھی اس سے چھٹکارہ نہ حاصل کر سکوں گی۔

پی ٹی آئی کو عمران خان کی ''کردار کشی'' کا خطرہ اور ڈیپ فیک کا ذکر

چودھری کولمبس خان

ڈیپ فیک کیا ہیں اور کیسے بنتے ہیں؟ بی بی سی

عمران خان کے قریبی ساتھی اور سابق وفاقی وزیر فواد چوہدری نے دعویٰ کیا ہے کہ سابق وزیرِ اعظم کی 'کردار کشی' کی ایک نئی مہم تیار کی جا رہی ہے جس کے لیے مبینہ طور پر 'ویڈیوز اور جعلی آڈیوز' کا استعمال کیا جائے گا۔اُنھوں نے یہ دعویٰ اپنے ایک ویڈیو پیغام میں کیا۔واضح رہے کہ چند دن قبل عمران خان خود بھی یہ دعویٰ کر چکے ہیں کہ عید کے بعد اُن کی کردار کشی کی جائے گی۔عمران خان اور فواد چوہدری کے بیانات کے بعد سے پاکستان تحریکِ انصاف کے حامیوں کی جانب سے سوشل میڈیا پر تبصرے کیے جا رہے ہیں کہ یہ مبینہ ویڈیوز اور آڈیوز جعلی ہوں گی جنھیں ڈیپ فیک ٹیکنالوجی کے ذریعے بنایا جائے گا۔ پی ٹی آئی کے اس پیشگی دعوے سے قطع نظر فی الوقت یہ معلوم نہیں ہے کہ مبینہ ویڈیوز اور آڈیوز وجود رکھتی ہیں یا نہیں اور اگر ہاں تو کیا یہ واقعی جعلی ہیں جیسا کہ پی ٹی آئی دعویٰ کر رہی ہے۔

آئیں جانتے ہیں کہ ڈیپ فیک ٹیکنالوجی کیا ہے اور اس کے ذریعے جعلی معلومات کس طرح پھیلائی جا سکتی ہیں اور آپ ڈیپ فیک اور حقیقی مواد میں کیسے فرق کر سکتے ہیں؟

ڈیپ فیک کیا ہیں؟

ایک زمانہ تھا کہ جب انٹرنیٹ اور کمپیوٹر سے بہت زیادہ واقفیت نہ رکھنے والے لوگوں کو فوٹو شاپ کے ذریعے تصاویر میں معمولی ردوبدل کر کے دھوکہ دینا بہت آسان ہوا کرتا تھا۔ایسی چیزیں اب بھی عام ہیں لیکن تصویر یا ویڈیو غور سے دیکھنے پر ان کے جعلی ہونے کو پکڑنا بہت مشکل نہیں ہوتا۔تاہم ڈیپ فیک تصاویر اور ویڈیوز کسی انسان کے ہاتھ کی نہیں بلکہ مصنوعی ذہانت کے ذریعے کمپیوٹر تیار کرتا ہے۔ڈیپ فیک تیار کرنے والے سافٹ ویئرز

میں جتنی زیادہ معلومات اِن پٹ کی جائیں گی ان کا نتیجہ حقیقت سے اتنا ہی قریب تر ہوگا۔تاہم کچھ لوگوں کے نزدیک اس ٹیکنالوجی میں فیک یعنی جعلی کا لفظ استعمال نہیں کیا جانا چاہیے کیونکہ کئی کمپنیاں اس کا کمرشل استعمال بھی کر رہی ہیں مثلاً خبریں پڑھنے میں، اپنے ملازمین کو مختلف زبانوں میں ٹریننگز دلوانے کے لیے وغیرہ۔لیکن وہ ٹیکنالوجی ہی کیا جس کا غلط استعمال نہ ہو۔ اب مشہور شخصیات کو ڈیپ فیک کے ذریعے پورن فلموں میں اداکار بنا دیا جاتا ہے یا پھر سیاست دانوں سے اشتعال انگیز اور گمراہ کن بیانات پھیلا دیے جاتے ہیں۔جتنی دیر میں کوئی ان کے جعلی ہونے کا پتا لگاتا ہے تب تک خاصا نقصان ہو چکا ہوتا ہے۔

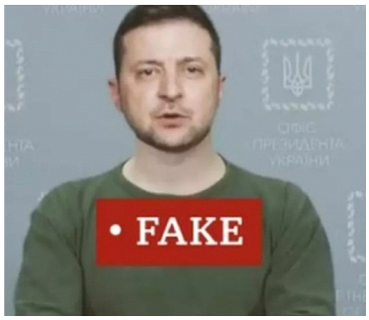

ڈیپ فیک کیسے بنائے جاتے ہیں؟

اس قسم کی ویڈیوز بنانے کے لیے عام طور پر ایک مخصوص سافٹ ویئر کا استعمال کیا جاتا ہے۔حالانکہ لوگوں کی عام تصاویر کو جنسی نوعیت دے دینا کوئی نئی بات نہیں لیکن پھر بھی کسی فوٹو ایڈیٹنگ سافٹ ویئر کے ذریعے ایسا کرنا مشکل اور محنت طلب ہوتا اور غور سے دیکھنے پر کہیں نہ کہیں جعلی تصویر پکڑی جاتی۔ویڈیوز کے لیے تو یہ کام اور بھی زیادہ مشکل تھا۔تاہم ڈیپ فیک میں آسانی یہ ہے کہ آپ نے کمپیوٹر سافٹ ویئر کو بہت سی معلومات فراہم کرنی ہوتی ہیں، مثلاً کہ آپ کا ہدف دکھتا کیسا ہے، بولتا کیسے ہے، بولتے وقت اس کی حرکات وسکنات کیسی ہوتی ہیں، وہ کس طرح کی صورتحال میں کیا ردِعمل دیتا ہے، وغیرہ۔بس اس کے بعد کمپیوٹر آپ کی فراہم کردہ ویڈیو پر آپ کے ہدف کی شکل چسپاں کرنے کا کام شروع کرے گا اور اس کے لیے یہ آپ کی فراہم کردہ ان تمام معلومات کا بھرپور استعمال کرے گا۔نتیجتاً جو ویڈیو سامنے آئے گی وہ حقیقت سے نہایت قریب تر ہوگی۔

ڈیپ فیک بنانے والے سافٹ ویئرز کا انحصار مشین لرننگ اور آرٹیفیشل انٹیلیجنس پر ہوتا ہے اور کئی ماہرین نے خبردار کیا ہے کہ ہم اس مقام پر پہنچ گئے ہیں جہاں ڈیپ فیک اور حقیقی ویڈیو میں فرق کرنا مشکل سے مشکل تر ہوتا جا رہا ہے۔

یونیورسٹی آف سدرن کیلیفورنیا کے پروفیسر ہاؤلی نے بی بی سی کو بتایا کہ 'ہم اس نقطے پر پہنچ چکے ہیں جہاں آپ ڈیپ فیک اور حقیقت میں فرق نہیں بتا سکتے'۔

یہ کتنا بڑا مسئلہ ہیں؟

رواں سال فروری میں شروع ہونے والی روس یوکرین جنگ اپنے خاتمے سے ابھی دور دکھائی دیتی ہے تاہم مارچ میں ٹوئٹر پر ایک ویڈیو جاری ہوئی تھی جس میں 'روسی صدر' امن کا اعلان اور 'یوکرینی صدر' ہتھیار ڈالنے کا اعلان کرتے نظر آئے۔

سوشل میڈیا کمپنیوں کی جانب سے یہ ویڈیوز فوراً ہی ہٹا دی گئیں تاہم کہا جا رہا ہے کہ ایسا اس لیے ممکن ہوا کیونکہ ان ویڈیوز میں اتنی نفاست تھی ہی نہیں چنانچہ انھیں جعلی ویڈیو کے طور پر شناخت کر لینا کافی آسان تھا۔ڈیپ فیکس نامی کتاب کی مصنفہ نینا شِک کہتی ہیں کہ 'بھلے ہی یہ ویڈیو بہت بری بنی ہوئی تھی مگر مستقبل قریب میں معاملہ ایسا نہیں رہے گا'۔

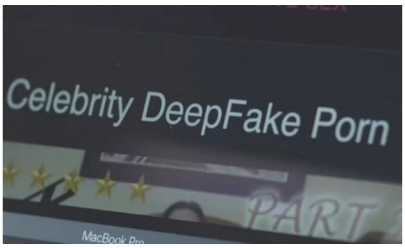

اُنھوں نے بی بی سی سے بات کرتے ہوئے کہا کہ اس سے قابلِ بھروسہ میڈیا سے بھی لوگوں کا بھروسہ اٹھے گا' کیونکہ 'لوگ یہ ماننے لگیں گے کہ ہر چیز جعلی بنائی جا سکتی ہے۔

ڈیپ فیک کیمونٹیز میں سب سے زیادہ مشہور اداکارہ ایما واٹسن اور نیٹلی پورٹمین کی جعلی ویڈیوز ہیں لیکن مشل اوباما، ایوانکا ٹرمپ اور کیٹ مڈلٹن کی ویڈیوز بھی بنائی گئی ہیں۔اداکارہ گیل گڈوٹ، جنھوں نے ونڈر وومن کا کردار ادا کیا تھا، ان پر اس ٹیکنالوجی کا سب سے پہلے استعمال کیا گیا تھا۔

تاہم صرف سیاست اور پورن نہیں بلکہ ڈیپ فیک ٹیکنالوجی دفاع، مالیات، مذہب غرض زندگی کے ہر شعبے میں مسائل پیدا کر سکتی ہے۔ان ہی مسائل کو مدِنظر رکھتے ہوئے فیس بک اور گوگل نے حال ہی میں اپنے اپنے پلیٹ فارمز پر ڈیپ فیک کو روکنے کے لیے اقدامات کا اعلان کیا ہے۔فیس بک کا کہنا ہے کہ اس نے اپنے پلیٹ فارم پر ڈیپ فیک ویڈیوز پر پابندی عائد کر دی ہے اور ایسی ویڈیوز کو ہٹا دیا جائے گا۔

(بشکریہ ہم سب۔2 مئی 2022)

بلا سفیمی لوٹ کے گھر کو آتی ہے

از سلیم ملک۔ بشکریہ ہم سب 3 مئی 2022
مرسلہ: چودھری کولمبس خان

نئے وزیر داخلہ اسی رفتار سے چلتے رہے تو رتبے میں بہت جلد پرانے وزیر داخلہ کے برابر آ جائیں گے۔ اپنے ساتھ اپنی پارٹی اور حکومتی اتحاد کو بھی لے ڈوبیں گے۔ نقصان تو پاکستانی عوام کا ہوگا جو پہلے پی ٹی آئی کی تبدیلی سے امید لگائے بیٹھے تھے اور اب پی ڈی ایم سے معجزوں کی امید لگائے بیٹھے ہیں۔ ہمارے ظاہری اور باطنی حکمرانوں کے پاس ملک کو ترقی کی راہ پر لانے جیسے مشکل کام کرنے کا ہنر ہے نہ نیت، بس عوام کو بے وقوف بنانے کا آسان طریقہ مذہب کا کاروبار ہی ہے سو وہ کرتے ہیں۔

سیاسی اور ملکی ترقی کے معاملات میں مذہب کا سہارا لینا آسان ہے۔ حکمرانوں کو کچھ کرنا نہیں پڑتا۔ جنت کا وعدہ ہے اور وہ لوگوں نے خود کمانی ہے۔ جنت ملی یا نہ ملی، اس راز سے پردہ اٹھانے کا کوئی طریقہ بھی نہیں ہے۔ حکمرانوں کا ٹاسک صرف اتنا رہ جاتا ہے کہ کوئی بھی ایشو اٹھائے رکھو اور لوگوں کی توجہ ادھر لگائے رکھو۔ کچھ کرنا بھی نہ پڑے اور اپنی خالی تقریروں کے لیے مواد بھی ملتا رہے۔

پی ٹی آئی اپنے دور میں اپنا منجن بیچ کر چلی گئی اب پی ڈی ایم نے اپنا منجن بیچنا شروع کر دیا ہے۔ کارکردگی یہ کہ دنیا میں اپنے مذہب اور مذہبی رہنماؤں کی عزت بڑھانے کے لیے فلاں بیان دے دیا۔ فلاں فورم پر تقریر کر دی۔ تو واضح رہے کہ دنیا اس کا یقین نہیں کرتی جو ہمارے حکمران کہتے ہیں، بلکہ وہ اس بات کا یقین کرتے ہیں جو وہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے حکمران کر رہے ہوتے ہیں۔

ہمارے مذہب کی عزت ہمارے بیانات اور تقاریر سے نہیں بڑھ سکتی۔ اس کا دارومدار ہمارے روزمرہ کے رویے پر ہے۔ ساری دنیا کو نظر آ رہا ہے کہ ہمارے معاشرے میں سچ اور دیانت داری ناپید ہے۔ دنیا کو علم ہے کہ ہم اپنے کاروباری معاملات میں انتہائی ناقابل اعتبار ہیں۔ بے پناہ فرقہ واریت ہے۔ ہم انسانوں میں برابری کے قائل ہی نہیں ہیں۔ ہمارے ہاں جنسی، صنفی، مذہبی اور نسلی بنیادوں پر بے پناہ تفریق پائی جاتی ہے۔ اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ ایک معاشرہ وہی ہوتا ہے جو کچھ حکمران اس کو بناتے ہیں۔ سچ، دیانت داری اور تہذیب سکھانا پڑتی ہے۔ یہ کوئی ایسی چیز نہیں جو انسان ماں کے پیٹ سے سیکھ کر آتا ہے۔ تمام ترقی یافتہ معاشرے یہ سکھاتے اور حکمرانوں کو خود اس کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ پہلے حکمران سچ اور دیانت داری کا مظاہرہ کرتے تو پھر عوام اس پر عمل پیرا ہو سکتے ہیں۔

اس لیے بیرونی دنیا کو یہ خوب معلوم ہے کہ ہمارا کردار کیا ہے۔ ہمارے حکمرانوں کی تقریریں کھوکھلے نعروں سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں۔ بیرونی دنیا میں ہمارا مقام وہی ہے جو ہم کرتے ہیں نہ کہ وہ جو ہم کہتے ہیں کہ ہم ہیں۔

بلا سفیمی کا قانون بھی ایک ہتھیار ہے جو جنرل ضیا الحق نے مذہب کے نام پر بیچا۔ مقصد بغیر کچھ کیے لوگوں کو یہ یقین دلانا تھا کہ حکومت اسلام کی بہت خدمت کر رہی ہے۔ یہ دھندا پھر چل پڑا۔ ہمارے حکمرانوں نے اس کے نام پر نوجوانوں کو اپنے مقاصد کے لیے خوب استعمال کیا۔ پھر ٹی ایل پی کے ذریعے یہ معاملہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ حکمرانوں نے ہمارے بے ہنر، بے روزگار اور مستقبل سے مایوس نوجوانوں کو اسلام کے تحفظ پر مامور کر دیا ہے۔ اب نوجوانوں کو اس عہدے سے اتارنا آسان کام نہیں ہے۔ اس وقت سینکڑوں لوگ اس الزام میں پاکستانی جیلوں میں سڑ رہے ہیں اور ان کا کوئی پرسان حال نہیں۔ سال 2021 کے دوران 580 کیسز درج کرائے گئے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ بلا سفیمی واپس مڑ کر گھر کو آتی ہے۔ سبھی اس کا شکار ہوئے۔ آپا نثار فاطمہ جنرل ضیا الحق کے قریب تھیں اور بلا سفیمی لاء بنوانے کا کریڈٹ لیتی تھیں۔ ان کا اپنا بیٹا احسن اقبال اس کا شکار ہوا۔ اس کو گولی ماری گئی، خوش قسمتی سے بچ گیا۔ پی ٹی آئی نے ٹی ایل پی کے ساتھ مل کر نواز شریف کی حکومت کو بے بس کر دیا تھا۔ پھر وہی ہتھیار انہیں خود برداشت کرنا پڑا۔ اب دوبارہ وہ اسی کا شکار ہو رہے ہیں۔

اور تو اور ٹی ایل پی کے بانی اور سربراہ جن کا بزنس ہی بلا سفیمی تھا ان پر الزام لگا۔ وہ کسی دوسرے فرقے کی اذان کے متعلق ناپسندیدگی کا اظہار کر رہے تھے۔ اس طرح جنید جمشید یعنی تبلیغی جماعت کے اتنے مشہور رہنما بھی اس کا شکار ہوئے۔ ملک سے بھاگ کر یورپ جانا پڑا۔ عمران خان پر بھی

مولانا خادم رضوی یہ الزام لگا چکے ہیں۔غرض کہ شاید ہی کوئی اس الزام سے بچا ہو۔اس کو روکنا ہوگا۔ ہر اگلے دن کچھ نیا ہو جاتا ہے اور ہمیں ہیرو بننے کا ایک نیا موقع مل جاتا ہے۔

ایک موقع پھر آ گیا ہے۔عمران خان اور پی ٹی آئی کی برداشت سے باہر ہو گیا ہے کہ عمران وزیر اعظم نہیں ہیں۔ وہ تشدد پر اترے ہوئے ہیں۔ تشدد بذات خود قابل مذمت ہے جہاں بھی ہو۔مسجد نبوی میں بھی جو کچھ پی ٹی آئی کے حامیوں نے کیا وہ تشدد تھا۔ان کا مقصد مخالفین کو تشدد کا نشانہ بنانا تھا مسجد نبوی کی بے حرمتی نہیں۔موجودہ حکومت کو چاہیے کہ ان کے متشدد رویے کے خلاف قانون کو حرکت میں لائے نہ کہ ایک مرتبہ پھر مذہب کا سہارا لے اور ایک نئی مثال قائم کرے۔موجودہ حکومت ایک مرتبہ پھر غلطی کر رہی ہے۔ پی ٹی کے لوگوں کے خلاف بلاسفیمی کے مقدمات قائم کرنے کی کوئی منطق نہیں ہے۔ یہ جہالت ہے اور واپس مڑ کر حکومت کے گلے بھی پڑے گی۔ کیونکہ ابھی تک یہی دیکھا گیا ہے کہ بلاسفیمی لوٹ کے واپس گھر کو آتی ہے۔

اپنی بیگمات کو پستہ اور بادام ضرور کھلائیں

چوہدری عبدالشکور،کلیولینڈ

بنک سے نکلتے ایک خاتون کو یاد آیا کار کی چابی بنک میں بھول آئی ہوں۔واپس جا کر سب سے پوچھا مگر بینک میں چابی نہیں تھی۔ دوبارہ پرس چھان مارا۔ چابی ندارد۔ اف! چابی گاڑی میں رہ گئی تھی! بھاگم بھاگ پارکنگ میں پہنچی، گاڑی غائب! پولیس کو فون کر کے گاڑی کا نمبر بتایا اور اعتراف کیا کہ چابی گاڑی میں رہ گئی تھی اور گاڑی چوری ہو گئی ہے۔ پھر تھوڑے اوسان بحال ہوئے تو دھڑکتے دل کے ساتھ میاں کو زندگی کی مشکل ترین کال کی اور اٹکتے اٹکتے بتایا گاڑی چوری ہو گئی ہے۔ادھر سے میاں جی گرجے!!! میں تمہیں بنک ڈراپ کر کے آیا تھا تم گاڑی لے کر نہیں گئی تھیں۔ خدا کا شکر ادا کیا اور میاں سے کہا کہ آ کر مجھے لے جائیں۔میاں جی بولے: لے تو جاؤں، پہلے پولیس کو تو یقین دلا لوں کہ تمہاری کار میں نے چوری نہیں کی ⁂،مرغا بنایا ہوا ہے ایسی مصیبت سے بچنا ہے تو میوہ جات،شہد، کھجور، دیسی گھی اور زیتون کا تیل صرف خود نہ کھائیں بلکہ اپنے علاوہ اپنی بیگمات کو بھی کھلائیں۔

اطہر حفیظ فراز

یہاں میکدے کی وہی ہے خو، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی جام ہے، وہی ہے سبو، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کبھی موسموں کے بیان تھے، کبھی وادیوں کے تھے تذکرے
کبھی خوشبوؤں کی تھی گفتگو، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
انہی راستوں کی طوالتیں نہ تھکا سکی تھیں ہمیں کبھی
کہ تھکا گئی تیری آرزو، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
یونہی دیکھنا کبھی ریل کو، کبھی راہیوں کے وجود کو
مجھے ڈھونڈنا تیرا چار سو، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کبھی تتلیوں کی تلاش میں یونہی بھاگنا وہ دبے دبے
کبھی جگنوؤں کی تھی جستجو، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
تیرا عہد بھی، تیری سوچ بھی، وہ لبوں سے ہوتا قرار بھی
مجھے یاد ہے سبھی ہو بہو، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کبھی خوشبوؤں کی تھیں یورشیں، کبھی وارداتیں بہار کی
ہمیں پھول تھے، ہمیں رنگ و بو، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کبھی راستوں نے تھکا دیا تو سڑک سے ہٹ کے ڈرے ڈرے
تیرا بیٹھنا میرے روبرو، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
یہ سفر بھی کتنا عجیب تھا، نہ پڑاؤ تھا، نہ تھیں منزلیں
نہ ہی طے ہؤا، نہ ہؤا شروع، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
تیرا نام سجدوں میں لے لیا کہ جبیں میری تھی زمین پر
میری چاہ بھی تو تھی باوضو، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
یونہی وقت نے ہے رلا دیا تیرے حسن کو میری چاہ کو
کبھی ہم بھی تم بھی تھے خوبرو، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہ قیامتیں وہ مصیبتیں جنھیں سوچ سوچ کے اے فراز!!
میرا دل ہؤا ہے لہو لہو، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

جستہ جستہ

عطاء القادر طاہر

انگلینڈ کے سوٹ اور اٹلی کے جوتے پہن کر غریب کی بات کرو گے تو کوئی تم پر اعتبار نہیں کرے گا۔ جواہر لال نہرو کے والد موتی لال نہرو کامیاب وکیل، بزنس مین اور سیاست دان تھے، وہ دہلی، الہ آباد اور کلکتہ میں پریکٹس کرتے تھے اور 1900ء کے شروع میں لاکھوں روپے ماہانہ کماتے تھے، وہ دوبار آل انڈیا کانگریس کے صدر بھی رہے، موتی لال نہرو صاحب خود سیاست دان تھے مگر وہ اپنے بیٹے جواہر لال نہرو کو سیاست سے دور رکھنا چاہتے تھے، وہ انہیں صرف وکیل دیکھنے کے خواہاں تھے، انہیں لاٹھی اور جیل سے بچائے رکھنا چاہتے تھے۔ جواہر لال کے والد نے بیٹے کو شاہی خاندان کی طرح پڑھایا، نوابوں جیسی پرورش کی، کیمبرج یونیورسٹی میں تعلیم دلائی اور جب وہ بیرسٹر بن کر ہندوستان واپس آ گئے تو انہیں الہ آباد میں اچھے کلائنٹس لے کر دیئے لیکن جواہر لال نہرو کمیونسٹ ذہنیت کے مالک تھے۔

وہ سیاست میں آ کر معاشرے میں مساوات پیدا کرنا چاہتے تھے، والد نے بہت سمجھایا مگر جب دال نہ گلی تو اس نے ایک دن جواہر لال نہرو کی الماری سے سارے قیمتی سوٹ، جوتے اور سگار نکالے اور دوستوں کے بچوں میں تقسیم کر دیئے اور ان کی جگہ کھدر کے دو پائجامے اور تین کرتے لٹکا دیے اور ہاتھ سے بنی ہوئی دیسی جوتی رکھوا دی، جواہر لال کے کمرے سے سارا فرنیچر بھی اٹھوا دیا گیا، فرش پر کھردری دری اور موٹی چادر بچھا دی اور خانساماں کو حکم دے دیا تم کل سے صاحب زادے کو جیل کا کھانا دینا شروع کر دو اور بیٹے کا جیب خرچ بھی بند کر دیا گیا، جواہر لال نہرو نے جب اپنے کمرے کا یہ حال دیکھا تو رات کو مسکراتے ہوئے والد کے پاس آئے، بڑے نہرو صاحب اس وقت سٹڈی میں ٹالسٹائی کا ناول ''وار اینڈ پیس'' پڑھ رہے تھے، بیٹے نے پوچھا ''آپ مجھ سے خفا ہیں''، موتی لال نے نظریں کتاب سے اُٹھائیں اور نرم آواز میں جواب دیا ''میں تم سے ناراض ہونے والا دنیا کا آخری شخص ہوں گا''، چھوٹے نہرو نے پوچھا ''پھر آپ نے اتنا بڑا آپریشن کیوں کر دیا''، والد نے بیٹے سے کہا ''صاحب زادے تم نے جو راستہ چنا ہے اس میں جیل، بھوک اور خواری کے سوا کچھ نہیں، میں چاہتا ہوں تم آج ہی سے ان تمام چیزوں کی عادت ڈال لو جو اس راستے میں تمہیں پیش آنے والی ہیں۔ دوسرا غریب کے پاس اعتبار کے سوا کچھ نہیں ہوتا لہٰذا یہ انتہائی سوچ سمجھ کر دوسروں پر اعتبار کرتے ہیں، تم اگر عام آدمی کی بات کرنا چاہتے ہو تو پھر تمہیں خود بھی عام آدمی ہونا چاہیے، تم انگلینڈ کے سوٹ اور اٹلی کے جوتے پہن کر غریب کی بات کرو گے تو تم پر کوئی اعتبار نہیں کرے گا، میں نہیں چاہتا دنیا میرے بیٹے کو منافق کہے چنانچہ تم آج سے وہ کپڑے پہنو گے جو غریب پہنتا ہے اور تم اتنے پیسے ہی خرچ کرو گے جتنے غریب کی جیب میں ہوتے ہیں''

جواہر لال نہرو نے والد کا ہاتھ چوما اور پھر مرنے تک کھدر کے کپڑے اور دیسی جوتے پہنے اور غریبوں جیسا سادہ کھانا کھایا۔ ہمارے ملک کا سب سے بڑا المیہ ایسی لیڈر شپ کا فقدان ہے، پوری دنیا میں لیڈروں کا تعلق عموماً بڑے گھرانوں سے ہوتا ہے، یہ اعلیٰ تعلیم یافتہ بھی ہوتے ہیں، ان کا گلوبل ایکسپوژر بھی ہوتا ہے اور یہ اندر سے رجے ہوئے ہوتے ہیں لیکن یہ لوگ جب سیاست میں آتے ہیں تو یہ سادگی اور غریب پروری کا تحفہ ساتھ لے کر آتے ہیں، یہ عام آدمی کی صرف باتیں نہیں کرتے یہ عام آدمی نظر بھی آتے ہیں مگر ہمارے ملک میں ایسا نہیں ہے، ہم ''ڈرٹی پالیٹکس'' کے ایک خوف ناک جوہڑ میں غوطے کھا رہے ہیں۔ ملک کی تمام بڑی سیاسی جماعتیں غریبوں کی باتیں تو ضرور کرتی ہیں لیکن ان کے لیڈروں کا لائف سٹائل اور ان کی شخصیت ان باتوں سے میچ نہیں کرتی۔ ہزاروں کنال کے بنگلوں اور فارم ہاؤسز میں رہنے والے کئی کئی لاکھ ماہانہ تنخواہ اور دنیا بھر کی مراعات لینے والے بیرون ملک بڑے گھر اور بنک بیلنس رکھنے والے جہاز اور ہیلی کاپٹر کو گلی کے موٹر سائیکل کی طرح استعمال کرنے والے ہمارے وزیراعظم ایک غریب ملک کے رہنما نہیں ہو سکتے۔ اگر رہنما لینا ہے تو غریب عوام سے لیں جو عام شہریوں کی طرح پانچ سات مرلہ کے گھر میں رہے۔ جرمن چانسلر اینجلا کی طرح دو تین سوٹوں اور ایک ہی کوٹ کیساتھ پانچ سالہ دور اقتدار پورا کرے لیکن دنیا بھر میں کروڑوں ہی لوگوں کو اپنے کردار سے اپنا گرویدہ بنا لے اور باراک اوباما کی طرح صدارت سے فارغ ہو کر کرایئے کا مکان ڈھونڈتا پھرے۔ پاکستانی اور بالخصوص غلامانہ ذہنیت والے سے یہ توقع عبث ہے پتہ نہیں کیوں، ہماری قسمت میں لیڈر نہیں صرف دھندے والے لوگ ہی ہیں۔

عمران خان کو سیاسی شہید بنا کر زندہ کرنیوالے کون

تحریر: سید عتیق الرحمن گیلانی

تحریک انصاف بمقابلہ امریکہ، شہباز حکومت یا اسٹیبلشمنٹ؟۔عمران خان کو سیاسی شہید بنا کر زندہ کرنیوالے کون، کون اور کون ہیں؟ جو صحافی حضرات عمران ریاض خان گوگی اور سمیع ابراہیم وغیرہ کل تک تحریک انصاف اور پاک فوج کی حمایت کررہے تھے آج وہ ان کو لڑانے کے زبردست کرتب دکھارہے ہیں پاکستان انتہائی خطرناک موڑ پر کھڑا ہے۔جب اسرائیلی وزیر نے دوبئ کا دورہ کیا اور باچاخان مرکز پشاور میں ANP کے نمائندے اور مولانا فضل الرحمن نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔مولانا فضل الرحمن نے روایتی سخت مؤقف کا اظہار کرکے دوبئ کے حکمران کو بے حیثیت کٹھ پتلی قرار دیا اور اسرائیل کو تسلیم کرنے کے حوالے سے قائداعظم محمد علی جناح کے مؤقف کو امت مسلمہ کی نمائندگی قرار دیا تھا لیکن صحافی عمران خان عرف گیلا تیتر بلکہ گوگی خان نے مولانا فضل الرحمن پر اسرائیل کو تسلیم کرنے اور دوبئ میں چندہ بند ہونے کے خدشے پر اتنا دروغ گوئی سے کام لیا تھا کہ انسان سوچ بھی نہیں سکتا کہ کوئی اتنا جھوٹ بھی بول سکتا ہے؟ سوشل میڈیا یا پروقار ملک بھی کھلم کھلا بہت کچھ کہتا ہے اور اس نے یہ جھوٹی خبر دی کہ کراچی میں مرغی کے گوشت کی قیمت ہزار روپے فی کلو ہے،عمران ریاض خان نے ایک مرتبہ آرمی چیف جنرل باجوہ پر کسی مافیا کی پشت پناہی کا بتایا اور پھر معافی مانگ لی لیکن بشری بی بی کی فرنٹ مین فرح گوگی پر کوئی رپورٹ نہیں دی۔کٹھ پتلی صحافیوں اور سیاستدانوں نے ہمیشہ جھوٹ اور بدتمیزی سے اخلاقیات کا جنازہ نکالنے میں بڑا کردار ادا کیا اور آج پوری قوم اور وہ پاک فوج اس کی سزا بھگت رہی ہے۔جو پاک فوج زندہ باد کے نعرے لگا کر اپنے مخالفین کو ہر قسم کی تنقید، تضحیک اور جھوٹے پروپیگنڈے کا نشانہ بناتے تھے اور سستی شہرت کماتے اور مفادات اُٹھاتے تھے۔اس میں شک نہیں کہ یہ جمہوریت کا تحفہ ہے کہ ملک وقوم پر ایسی حکومت مسلط ہوگئی ہے جس طرح جنگلی جانور پہلے کوئی شکار کرکے کھا لیتے ہیں۔ پھر باقی ماندہ پر لگڑ بگڑ جھپٹتے ہیں اور آخر کار گدھ کا نصیب جاگ جاتا ہے اور یہ لگڑ بگڑ اور گدھ شرم بھی نہیں کھاتے ہیں۔

خطرہ 440 کے خدشات:

صحافی عمران خان، سمیع ابراہیم اور صابر شاکر وغیرہ نے ہمیشہ پاک فوج اور عمران خان کی تائید میں صحافت کی بجائے کٹھ پتلی کا کردار ادا کیا ہے۔سمیع ابراہیم نے فواد چوہدری سے ایک بڑا زبردست مکا بھی کھایا تھا جس کی وجہ سے اس کے چشمے بھی بدل گئے تھے۔سابق وزیراعظم عمران خان کم ازکم فواد چوہدری سے معافی طلب کرنے کی بات کرتا تو بھی مناسب ہوتا لیکن جب سمیع ابراہیم کو اپنے چہرے پر مکا کھانے کی پرواہ نہیں ہے تو وہ دوسروں کی عزت اور ان کو نقصان پہنچنے کا کیا غم کھا سکتا ہے؟۔

عمران احمد خان نیازی نے میانوالی سے حقیقی آزادی کے نام سے تحریک شروع کردی لیکن کیا وزیراعظم بننے کے باوجود بھی اسٹیبلشمنٹ کا غلام تھا؟۔ عوام کی عرصہ دراز سے یہ خواہش رہی ہے کہ عالمی ومقامی اسٹیبلشمنٹ کی غلامی سے حقیقی آزادی ملنی چاہیے اسلئے عمران خان کی بھرپور تائید ہورہی ہے۔ شدت پسندی، انتہاء پسندی اور دہشت گردی کو پروان چڑھانے میں امریکہ مخالف پالیسی کا بڑا ہاتھ رہا ہے جس میں لوگوں کیساتھ ڈبل پارٹ ہوتا تھا۔ایک طرف اسٹیبلشمنٹ اور اس کے حواری خود امریکہ سرکار کی پالیسیوں پر عمل درآمد کرتے تھے اور دوسری طرف اپنے مخالفین کو نشانہ بناتے تھے کہ یہ امریکی ایجنٹ ہیں۔محمود خان اچکزئی، مولانا فضل الرحمن، محسن داوڑ، منظور پشتین، سردار اختر مینگل اور عمران خان کے بیانیہ میں اب کوئی فرق نہیں رہا کہ ہماری ریاست نے ڈالروں کی خاطر افغان جنگ لڑی اور اس خطے کے امن کو تباہی کے کنارے پر پہنچادیا۔پیپلز پارٹی، ن لیگ اور تحریک انصاف نے اپنی مدتِ ملازمت میں امریکہ اور اپنی اسٹیبلشمنٹ کیساتھ مل جل کر وہی کیا جس کی توقع ایک تابعدار ملازم سے ہونی چاہیے۔امریکی صدر ٹرمپ نے امریکہ کی نام نہاد جمہوریت کو دھچکا پہنچایا۔عمران خان نے پاکستان کی نام نہاد جمہوریت کا بھانڈہ پھوڑ دیا اور مودی سرکار بھارت کی جمہوریت کا بیڑہ غرق کرنے میں لگی ہوئی ہے۔

پاک فوج کے ترجمان نے واضح کیا کہ 75 سالوں سے عوام کی خواہش تھی کہ فوج نیوٹرل ہوجائے تو اب دوسال سے ہم نیوٹرل ہیں۔عمران خان قصائی نیوٹرل فوج کو جانور کہتا ہے اور بکرے کو چھرا نظر آتا ہے تو اپنی خیر مناتا ہے۔ہم سمجھتے ہیں کہ فوج کو نیوٹرل رہنا چاہیے تھا اور اگر پہلے نہیں تھی تو اس کی ذمہ داری موجودہ فوج پر نہیں ڈالنی چاہیے۔عمران خان کہتا ہے کہ جب امریکہ نے سمجھ لیا کہ میں پاکستان کو نیوٹرل رکھنا چاہتا ہوں تو مجھے ہٹادیا گیا۔اگر عالمی سطح پر نیوٹرل رہنے سے عمران خان جانور نہیں بنتا تو نیوٹرل فوج کو بھی جانور کہنا درست نہیں۔آرمی چیف جنرل قمر باجوہ اور سابقہ DGISI جنرل فیض حمید کو

نواز شریف نے بھی تنقید کا نشانہ بنایا تھا۔ ن لیگ کے وکلاء وغیرہ نے یہ جو دہشت گردی ہے اسکے پیچھے وردی ہے کے نعرے لگائے تھے۔ حالانکہ ان کا نعرہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ یہ جو سیاست گردی ہے اسکے پیچھے وردی ہے۔ نواز شریف لندن میں بیٹھا تھا اسلئے کھل کر بات کی۔ عمران خان نے اشارہ دیا تھا کہ اگر مجھے باہر کر دیا گیا تو زیادہ خطرناک ہو جاؤں گا لیکن وہ میر جعفر اور میر صادق نواز شریف اور زرداری کو کہتا تھا اور اس سے مراد وہ لیتا تھا جس کا زبان پر نام نہیں لے سکتا تھا۔ اسلئے کہ کٹھ پتلی صحافی مارکہ غنڈوں کے بیچ میں رضیہ پھنس گئی تھی۔ بجلی میں خطرہ 440 وولٹ یہ ہے کہ جب 220، 220 وولٹ دو تاروں کے ٹچ ہونے کا خدشہ ہوتا ہے تو اس سے بڑی تباہی مچ جاتی ہے۔ انسان کے بچنے کے امکانات نہیں رہتے۔ گھروں میں فریج، پنکھے، بلب وغیرہ سب کچھ جل جاتے ہیں لیکن جب ایک 220 وولٹ کا مثبت تار اور دوسرا منفی تار ہو تو پھر بجلی کا نظام بہترین چلتا ہے۔ جمہوری نظام میں حکومت اور اپوزیشن کا کردار بھی مثبت اور منفی دونوں پہلو کا ہو تو بہترین چلتا ہے۔ جب اسٹیبلشمنٹ اور تحریک انصاف میں دراڑ پیدا ہوگئی اور دونوں کی حمایت کرنے والے صحافیوں نے دونوں طرف کی سپلائی جاری رکھی تو اس سے خطرہ 440 کا خدشہ پیدا ہو گیا۔

امریکہ نے ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں افغان جہاد کیلئے بنیاد رکھ دی تھی لیکن بھٹو نے روس کے ذریعے اسٹیل مل کی بھی بنیاد رکھی اور اسلامی سوشل ازم کا نعرہ بھی لگایا۔ پھر جنرل ضیاء الحق اور ISI چیف اختر عبدالرحمن نے اس کی تکمیل کر دی۔ کرائے کے مجاہدین کا دادا امریکہ تھا اور نانی CIA تھی۔ کرائے کا باپ جنرل ضیاء الحق اور ماں جماعت اسلامی تھی۔ پھر بے نظیر بھٹو اور نصیر اللہ بابر کے ذریعے طالبان لائے گئے۔ پھر اسامہ بن لادن اور طالبان کے خلاف امریکہ آنے لگا تو کرائے کے مجاہدین کا سوتیلا باپ مولانا فضل الرحمن بن گیا۔ غیر جماعتی انتخابات سے اسلامی جمہوری اتحاد اور پیپلز پارٹی و مسلم لیگ کے درمیان اپنی اپنی باری کا سلسلہ پرویز مشرف کے دور سے پہلے بھی تھا اور پھر بعد میں بھی بن گیا اور پھر تحریک انصاف کو لایا گیا اور اب پھر باریوں کا چرچا ہے۔ عمران خان کباب میں ہڈی ہے۔ جس طرح ڈاکٹر عامر لیاقت حسین کی تیسری بیگم کی علیحدگی کا چرچہ ہے اسی طرح وسعت اللہ خان کے بقول دو بیویوں کے بعد تیسری سے اسٹیبلشمنٹ کی لڑائی کا سلسلہ اب عروج پر پہنچ رہا ہے۔ یہ جمہوریت نہیں بلکہ خاندانی قسم کے مسائل میں عوام کو الجھایا جا رہا ہے۔ خوفناک تصادم کا بھی خطرہ ہے اور عزت سادات بھی گئی کا مسئلہ نظر آتا ہے۔

آفتاب شاہ

۞ ہمارے ہاں ایک جملہ عام طور پر بولا جاتا ہے کہ جس ملک نے بھی ترقی کی ہے اپنی زبان کی وجہ سے کی ہے؟ دنیا میں 196 ممالک میں سے چند ممالک کو ترقی یافتہ کہا جاتا ہے تو جو باقی ممالک بچتے ہیں کیا وہ سب دوسروں کی زبان بولتے ہیں؟ کیا ان کے پیچھے رہ جانے کی وجہ صرف اپنی زبان کو اہمیت نہ دینا ہے؟ یہ محض ایک پروپیگنڈہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے کیونکہ زبان ترقی کے عوامل میں سے ایک زینہ تو ہو سکتا ہے لیکن کسی بھی ملک کی ترقی محض زبان کے بل بوتے پر محال ہوتی ہے۔ اس لیے ہر اس عمل کو اختیار کیے بنا ترقی نہیں کی جا سکتی جو کسی بھی معاشرے کو آسمان کی بلندی عطا کرتا ہے۔

۞ جس معاشرے میں نسلی، لسانی اور طاقتور افراد کے گروہ سرگرم ہو جائیں تو وہاں پر قومیت کی دیوار میں دیمک لگنا شروع ہو جاتی ہے۔ ان گروہوں کو دیکھ کر علاقائی سطح پر بھی مختلف پیشوں کے لوگ بھی اپنے اپنے ہرکارے اکٹھے کر کے خوف کی فضا قائم کرنا شروع کر دیتے ہیں اور دباؤ کا وہ طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ انتظامیہ بھی بے بس نظر آنا شروع ہو جاتی ہے۔ یہی سے انارکی اور عصبیت کا ناگ سر اٹھانے لگتا ہے۔ وہ ناگ جس کا سر ابتداء میں کچل دیا جائے تو معاشرے کی قبا سلامت رہتی ہے۔

۞ تقدیر اور قسمت کا فلسفہ اتنا مشکل نہیں جتنا کچھ لوگوں نے اس کو بنا دیا ہے۔ تقدیر بنیادی طور پر اس عمل سے جڑی ہے جو تقدیر بالدعا کا بندھن ہے اور تقدیر بالرضا کے ساتھ اپنے تعلق کو پختہ رکھتا ہے۔ انسان کا اختیار اس سے چھینا نہیں گیا بلکہ اس کو بتایا گیا ہے کہ تقدیر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر مدد خداوندی کا نام نہیں ہے بلکہ جہد مسلسل کی سان ہی عطا اور جزا کے رنگ نمایاں کرتی جاتی ہے۔ اس لیے وہ اقوام جنہوں نے اس قول کو اپنایا وہ کامیابی کے زینوں کو طے کرتی رہیں اور جنہوں نے غیبی مدد کی آس پر زندگیاں گزار دیں وہ ترقی کرنے والوں کو حسرت بھری نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔

۞ جس معاشرے میں عزت کا معیار بڑی گاڑی اعلیٰ بنگلہ اور برینڈڈ اشیاء ہوں وہاں فخر اور غرور کے لیے روایت اور تاریخ کی ضرورت نہیں رہتی ایسا معاشرہ سستے لوگ اور مہنگی اشیاء کا پیداواری یونٹ بن جاتا ہے جہاں سوچ کو گرا ہوا نہیں سمجھا جاتا بلکہ لوگوں کو گھٹیا اور نیچ سمجھا جاتا ہے۔ ایک گاڑی میں بیٹھا آدمی موٹر سائیکل والے کو اور موٹر سائیکل والا ایک سائیکل والے کو حقارت سے دیکھتا ہے جب کے پیدل چلنے والا ریڑھی والوں کو ان گدھوں سے کم تر گردانتا ہے جو بوجھ اٹھانے کی مشقت کو ایمان کی حد تک نبھاتے ہیں۔ جس جگہ اچھے کپڑوں اور جوتوں کو سینے سے لگایا جائے وہاں انسانیت کی بیگور و کفن لاش سڑکوں پر ہی گھسیٹی جاتی ہے۔

تقریبِ رونمائی ''عشق لاہوتی'' مصنفہ سیدہ کوثر

(ادارہ)

لندن: تقریبِ رونمائی عشق لاہوتی مصنفہ سیدہ کوثر سیدہ کوثر کے پہلے مجموعہ کلام عشق لاہوتی کی تقریب رونمائی لندن کے انسٹیٹیوٹ فار دی اسٹڈی آف مسلم سیویلائیزیشن میں منعقد ہوئی اس تقریب میں لندن سے اپنے اپنے شعبہ کی نمایاں شخصیات نے بھرپور شرکت کی اس موقع پہ سیدہ کوثر کی سالگرہ کا کیک بھی کاٹا گیا۔ لندن پاکستان کے بعد پوری دنیا میں ادبی اور سماجی و سیاسی سرگرمیوں کا مرکز ہے اگر سیاست کی گرما گرمی عروج پہ ہو تو ساتھ ہی فنون لطیفہ سے منسلک تحریکات و تنظیمات انسانی شعور کو جلا بخشنے کو سرگرم ہیں۔ دھنک لندن ویلفیئر فاؤنڈیشن کے تعاون سے سے پندرہ مئی ۲۰۲۲ کی شام کو لندن کے پرسکون علاقے کینال ریچ میں انسٹیٹیوٹ فار دی اسٹڈی آف مسلم سیویلائیزیشن کے طلبا کی جانب سے سیدہ کوثر کے پہلے مجموعہ کلام عشق لاہوتی کی تقریب رونمائی کا اہتمام کیا گیا جس کی قیادت نوجوان ایکٹیوسٹ عامر محمد نے کی۔ تقریب رونمائی ''عشق لاہوتی'' کی صدارت بابائے لندن مشتاق لاشاری صاحب نے کی ان کا کہنا تھا کہ سیدہ کوثر کی شاعری کا مطالعہ کرنے سے مجھے فہمیدہ ریاض کی یاد آتی ہے۔ ممتاز رائیٹر اور ایکٹیویسٹ تنویر زمان نے سیدہ کوثر کی شاعری اور عشق لاہوتی کے لئے اپنے خطاب میں کہا کہ سیدہ کوثر کی شاعری میں ہمیں پروین شاکر نظر آتی ہیں۔ طلعت گل نے اپنی بہترین اور برجستہ نظامت سے اس تقریب کو یادگار بنا دیا سولیسیٹر شہر بانو نے سیدہ کوثر کے پہلے مجموعہ کلام عشق لاہوتی کی بارہ میں تقریب رونمائی سے خطاب کرتے ہوئے سیدہ کوثر کی شاعری کو موجودہ دور کی مزاحمتی شاعری کا خطاب دیا۔ عشق لاہوتی سیدہ کوثر کی غزلیات پہ مبنی شعری مجموعہ ہے جو نومبر ۲۰۲۱ء میں پبلش ہوا اور محض تین ماہ کی قلیل مدت میں آؤٹ آف سیل ہو چکا ہے۔ اس تقریب رونمائی میں لندن کے تمام شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والی معتبر شخصیات نے شرکت کی جن میں تھرک باروح سے دوسری بار منتخب ہونے والے کونسلر قیصر عباس، سولیسیٹر شیخ غیاث، فیض امن میلہ کے روح رواں اکرم قائم خانی، مایہ ناز رائیٹر امیر ابڑو، میڈیا پرسن مبین رشید، اقرا ٹی وی کے انچارج حیدر مرزا، بزنس مین سمیر سیم بزنس مین لارڈ پاشا، محمود خوشی، ہر دلعزیز شخصیت سجاد بٹ۔ سائبر سیکیورٹی آرٹیفیشل انٹیلیجینٹس ڈوولپر مسٹر دانیال۔ سائبر سیکیورٹی پروگرام ڈوولپر مس بیلا۔ بزنس مین مسٹر حارث، فائن آرٹس پریزینٹر مس ہانا، ٹی وی پریزینٹر تنویر چہل۔ لائیر مس روما ۔ بزنس مین مسٹر بوبی۔ یو کے فورٹی فور سے وقاص احمد، اور پاکستان ہائی کمشن سے محترم محمد طارق نے خصوصی طور پر شرکت کی۔ اس تقریب رونمائی کی سب سے خاص بات یہ رہی روایتی طریقہ کار سے ہٹ کر۔ ایک مخصوص بیانیہ تقریر کی بجائے سیدہ کوثر کے ساتھ سوال و جواب کا سیشن رکھا گیا اپنے اس سیشن کے دوران سیدہ کوثر کا کہنا تھا کہ شاعری عطاء خاص ہے جو حساس اور نرم طبیعتوں پہ وارد ہوتی ہے مگر آجکل کا شاعر ،شاعرہ باشعور اور ہوشمند بھی ہیں اب وہ صرف زلف و ناز ادا میں الجھ کر نہیں رہتے بلکہ معاشرے کو نئی جہتیں عطا کرنے کا فن بھی جانتے ہیں شاعر معاشرے میں انقلاب اور تبدیلی لانے میں بنیادی کردار عطا کرتے ہی۔ ایک سوال کے جواب میں سیدہ کوثر کا کہنا تھا کہ خواتین کو اپنے حقوق مانگنے کی بجائے عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے سب سے ضروری سبب اس دنیا میں معشیت کا بیلنس ہونا ہے تبھی ہماری خواتین مزید بہتری کے ساتھ سوچ سکتی ہیں۔

تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی کے زیر اہتمام

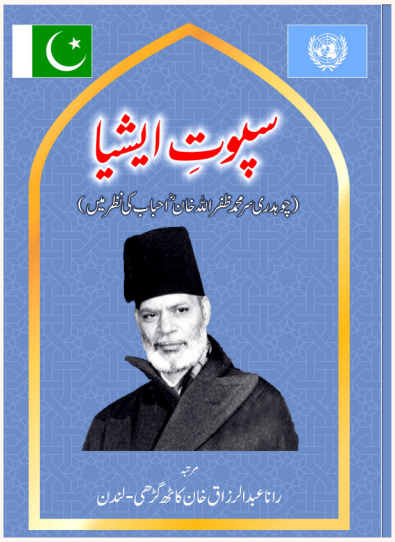

مشاعرہ اور رونمائی
کتاب ''سپوتِ ایشیا''

حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب لندن پر تبصرے کئے جائیں گے

پروگرام: انشاءاللہ 30 مئی بروز سوموار شام 6 بجے بیت السبوح جرمنی کے میٹنگ روم میں منعقد ہوگا۔جسمیں معروف شعراء اپنا کلام بھی سنائیں گے

مہمان خصوصی

مکرم محترم حیدر علی ظفر صاحب

مبصرین

مکرم محترم پروفیسر چوہدری حمید احمد صاحب، چوہدری کولمبس خان صاحب ، چوہدری حمید اللہ ظفر صاحب، چوہدری عبدالغفور ڈوگر صاحب۔اس ادبی نشت کے بعد محفل مشاعرہ بھی ہوگی۔جسمیں معروف شعراء اپنا کلام پیش کریں گے۔

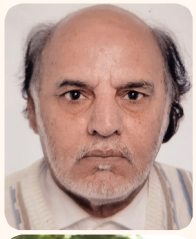

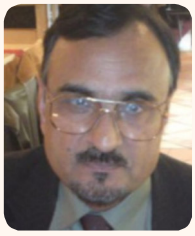

شعراء – رانا عبدالرزاق خان صاحب، ڈاکٹر وسیم احمد صاحب، ملک صفوان صاحب، عامر افتخار ماعر صاحب، چوہدری حمیداللہ ظفر صاحب، عبدالحمید رامہ صاحب، محمد اشرف صاحب، چوہدری شریف خالد صاحب، اسحاق اطہر صاحب، مبشر کاہلوں صاحب۔

متمنی شرکت:۔ شیخ منصور احمد جنرل سیکرٹری 07622837517

سعید ناز سیکرٹری تقریبات 015254991963

شکیل احمد سیکرٹری سپورٹس 0157300466

عطاء العزیز سیکرٹری ضیافت

مقصود احمد باجوہ ضیافت 01762000734

حمید الدین امینی ضیافت 01788218899

عبدالغفور ڈوگر

صدر

تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن یو کے

181 London Road Morden SM4 5PT London UK

e-mail: ticosauk17@gmail.com

Sir Iftikhar Ayaz,KBE,OBE,PhD

Greetings

In recognition of your long services to Her Majesty's Realms particularly Tuvalu,we have been pleased to confer upon you QUEEN'S PLATINUM JUBILEE MEDAL
By these presents affirm you to be a Recipient of the Medal enjoying all privileges appertaining.
Congratulations.

Teka Aviata
Office of the Governor General of Tuvalu

عزیز ممبران تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن یو کے

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ہمارے لئے یہ امر باعث اعزاز ہے کہ ہماری ایسوسی ایشن کے معزز ممبر مکرم ومحترم ڈاکٹر سر افتخار احمد ایاز صاحب کو گورنر جنرل آف طوالو کے آفس کی طرف سے طویل خدمات کے اعتراف میں Queen's Platinum Jubilee Medal سے نوازا گیا ہے۔ محترم ڈاکٹر صاحب کو اس سے قبل بھی متعدد اعزازات سے نوازا جا چکا ہے۔ ہم تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن یو کے۔ کے ممبران محترم ڈاکٹر افتخار احمد ایاز صاحب کو **"دلی مبارکباد"** پیش کرتے ہیں اور آپکی عمر وصحت میں برکت کے لئے دعا گو ہیں۔

والسلام

مبارک صدیقی

صدر تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن یو کے

پریزیڈنٹ	مبارک صدیقی	فون: 07951406634
جنرل سیکرٹری	رانا عبدالرزاق خان	فون: 07886304637

ڈاکٹر طارق انور باجوہ۔لندن

ہے صبر یہی، تقدیر پہ راضی ہونے میں تاخیر نہ کر
تدبیر میں گر باقی ہے کمی، رکھ اس پہ نظر تقصیر نہ کر
جو خواب سُہانے دیکھے تُو آئندہ شان و شوکت کے
گھر بیٹھے ہاتھ پہ ہاتھ دھرے، تُو ان کی غلط تعبیر نہ کر
آئی ہے چمن میں ایسی خزاں یا ربّ جانے کا نام نہ لے
ڈالی ہے بُری جس نے بھی نظر تُو اتنی بری تاثیر نہ کر
آزاد ہوا جب میں پیدا، اظہار تو حق بنتا ہے مرا
آزاد مری سوچوں کے لئے تیّار نئی زنجیر نہ کر
تعمیر ہوئی ہے ذات مری، تحریر نے جب ڈالا ہے اثر
اب تُو خالی تقریروں سے اس قلعے کی تسخیر نہ کر
دنیا کے لئے انسانوں کی مت بھینٹ چڑھا انسانوں کو
ایماں نہ لگا اب داؤ پر، جنّت کی یوں تشہیر نہ کر
طارق ہے یقیں جو بھی ہو گا انجام ترا اچھا ہو گا
تُو روشن مستقبل کی یوں، گمبھیر اتنی تصویر نہ کر

Concept 2Print

DIGITAL LITHO

A Complete Design & Print Service

CONCEPT • DESIGN • PRINT • FINISH

- Business Cards
- Folders
- Booklets
- Books
- Wedding Cards
- Letterheads
- NCR Pads
- Calendars
- Flyers
- Greeting Cards
- Compliment Slips
- Brochures
- Posters
- Pull up Banners
- Invitation Cards

t:0203 603 7582 e:info@concept2print.co

e:info@concept2print.co.uk

106 High Street-Colliers Wood-London-SW19 2BT

WWW.concept2print.co.uk

H@T IT SERVICES

Hardware • Application • Technology

HAT IT Services is becoming an IT Solution provider in innovative Hardware and Software Solutions that enable businesses to transform into digital enterprises for the ultimate competitive advantage.

- Laptop Repairs
- Computer Repairs
- Virus / Malware Removal
- Data Recovery
- System Optimization
- Home / Office Networking
- Server Installation
- Infrastructure & Networking
- Web & Application Development
- Sales & Purchase
- CCTV Installation & Maintenance

T: 0203 524 7530

www.hatservices.com

106 High Street, Colliers Wood SW19 2BT

TRANSLATIONS

ENGLISH - URDU

ATA TAHIR

DPSI ENGLISH LAW

IOLET DIPLOMA IN PUBLIC SERVICE

Interpreting Urdu-English Law

07818210181

atatahir@hotmail.com

HEATING LTD.

24/7 EMERGENCY SERVICE

Domestic & Commercial

Contact: 07722 222 965

www.247breakdownsolution.co.uk

SARMAD GLOBAL

CHARTERED ACCOUNTANTS

QUALIFIED CHARTERED ACCOUNTANTS
WITH BIG 4 EXPERIENCE

FREE TELEPHONE / EMAIL & WHATSAPP SUPPORT

- ✓ Company incorporation / Registered Office Address
- ✓ Personal Income Tax Return investigations,
- ✓ Rental Income Tax Returns
- ✓ UK State Pension Entitlement Review
- ✓ Advice on filling Gaps in UK State Pension
- ✓ UK State Pension / (Contracted Out) Tracing
- ✓ Private UK Pension Tracing.
- ✓ Assets Review for Inheritance Tax
- ✓ Appealing-Past years HRMC Penalties
- ✓ Preparation / Filing of Prior year tax returns
- ✓ Duplicate-Payslips/ P60s

ICAEW CHARTERED ACCOUNTANTS

SARMAD KHAN ACA, FCCA

OFFICE 115 LONDON ROAD MORDEN SURREY SM4 5HP UK
TEL +44(0)208 646 3666 FAX +44 (0)208 082 5002
E-MAIL: INFO@SARMADGLOBAL.COM
WEB. WWW.SARMADGLOBAL.COM
CELL +44 (0) 7903 416966

SAAMS FUNCTION HALL

Catering & Event Management

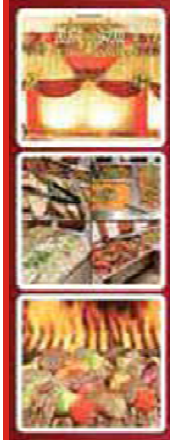

Services Available

- Catering Service
- Special Events
- Corporate Event
- Linen
- Crockery
- Cutlery
- Fresh Flowers
- Drinks
- Stages Decore
- Barbecue Hire

Enquire for a Booking

We Take reservations Everyday

Catering to your requirments
Cell:07883 815195

Under New Management
Newly Refurbished function Hall

SHAHMASKEEN & Co.UK.Ltd

LETTING
SALE
& ALL TYPE OF
BUILDING WORKS

Contact:

S M Shah

+447888683496

Z A Hashmi

+447705982260

shahmaskeen01@gmail.com

SHARIF

JEWELLERS
SINCE 1952

22K GOLD & DIAMOND JEWELLERY
GIA / HRD CERTIFIED DIAMONDS

HUGE SALE

ENJOY UPTO

50% OFF

ON MAKING CHARGES
& NO MAKING ON SELECTED COLLECTIONS*

28 LONDON ROAD, MORDEN SM4 5BQ

+44 20 8075 5777
+44 7888 300 399

*Applicable taxes, terms & conditions apply. Please visit our store for details.

FREE CONSULTATION & LEGAL ADVICE
24 Hours Emergency Numbers

مفت قانونی مشاورت
24 گھنٹے ایمرجنسی سروس

07878 33 5000 / 07774222062

RASHID & RASHID LAW FIRM
211, The Broadway, Southall, UB1 1NB.
Near McDonalds Southall.
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

190 Merton High Street, Wimbledon
London SW191AX
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

راشد اینڈ راشد لاء فرم
211، دابراڈوے، ساؤتھ ہال، UB1 1NB نزد میکڈونلڈز ساؤتھ ہال
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

190 میرٹن ہائی سٹریٹ، ویمبلڈن
لندن SW19, 1AX
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

SOW THE SEEDS OF LOVE

Benefit with very competitive rates, tailored advice & service to suit your specific needs, 24 hour response to all online enquiries and our many years of experience
www.rashidandrashid.co.uk

مناسب ریٹس میں آپ کی مخصوص ضروریات کے تحت موزوں مشورہ، 24 گھنٹے آن لائن سروس اور ہمارا سالوں کا تجربہ

- Asylum & Immigration
- New Point Based System
- Settlement Application (ILR)
- European Law
- Nationality & Travel Documents
- Human Rights Applications
- High / Court of Appeals
- Family Matters and Divorce
- Switching Visas
- Over Stayers
- Legacy Cases
- Work Permits
- Visa Extensions
- Judicial Reviews
- Tribunal Appeals
- Student appeals

- اسائلم/سیاسی پناہ اور امیگریشن
- نیا پوائنٹ بیسڈ امیگریشن سسٹم
- ویزا میں تبدیلی
- ویزا توسیع/ایکسٹینشن
- سیٹلمنٹ درخواست (ILR)
- یورپین قانون
- اوور سٹیئرز
- جوڈیشل ریویو
- نیشنیلٹی اور سفری دستاویزات
- درخواست برائے انسانی حقوق/ہیومن رائٹس
- وراثتی معاملات/لیگیسی کیس
- ٹرائبیونل اپیل
- ہائی/کورٹ آف اپیل
- طلاق و دیگر خاندانی معاملات
- ورک پرمٹ
- سٹونٹس اپیل

RASHID & RASHID
Solicitors, Advocates
Immigration Specialists
Commissioners of Oaths

راشد احمد خان
وکیل (پرنسپل)